"وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى "(النجم ۵۳:۳۹)

دعا، صدقہ جاریہ اور ایصال ثواب

ابو ریحان

نام کتاب:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دعا،صدقہ جاریہ اور ایصال ثواب

تالیف:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابوریحان

تنقیح وتصحیح:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ محمد رضوان حیدر،شاہ بابا

نظر ثانی:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حافظ محمد جعفر،توقیر احمد

نوٹ: احادیث کے تمام حوالہ جات islam360 کے مطابق ہیں۔

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

شریعت میں مسلمان کی پیدائش پر کچھ چیزیں مسنون ہیں جیسے نومولود کے کان میں اذان، ختنے اور پیدائش کی خوشی میں عقیقہ، اسی طرح فوتگی کے موقعہ پر میت کی تجہیز و تکفین، مغفرت کے لئے نماز جنازہ اور پھر میت کی تدفین۔ لیکن پاک و ہند کے اکثر مسلمان ان سے کچھ زائد رسوم ادا کرتے ہیں جنہیں ''قُل'' ''دسواں'' اور ''چالیسواں'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان رسوم میں میت کے لیے دوسرے یا تیسرے اور پھر دسویں اور چالیسویں روز میت کے اقرباء، احباب اور محلے دارین کی طرف سے ''قرآن خوانی'' اور کھجور کی گٹھلیوں پر ذکر و اذکار وغیرہ پڑھ کر اس کا ثواب میت کو ارسال کیا جاتا ہے۔

قرآن خوانی کا شریعت اسلامی میں کوئی وجود نہیں، پورے دور نبوی ﷺ دور صحابہ رضی اللہ عنہ میں دور تابعین رحمہ اللہ اور تبع تابعین رحمہ اللہ میں اس کا کہیں کوئی وجود نظر نہیں آتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کے صاحبزادوں اور تین صاحبزادیوں رضی اللہ عنہما نے وفات پائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے متعدد مسلمان اعزہ و اقارب نے وفات پائی، جیسے آپ ﷺ کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، چچا زاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ، آپ کے رضائی بھائی ابوسلمہ اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی بہت سے لوگ آپ ﷺ کی زندگی میں وفات پا گئے لیکن احادیث کا ذخیرہ اس بات سے خالی ہے کہ آپ ﷺ نے کسی کے لئے اسطرح قرآنی خوانی کر کے ایصال ثواب کیا ہو۔ حتیٰ کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ادوار بھی اس طرح کی رسوم اور ایصال ثواب کے عقائد سے خالی ہیں۔ بلکہ قارئین کرام تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو پوری تاریخ اسلام میں اس قرآن خوانی کا کوئی وجود نظر نہ آئے گا کتب تفاسیر، کتب احادیث، کتب فقہ، اور کتب تاریخ اسلام سب اس خود ساختہ ایصال سے پاک ہیں۔

جب ان رسوم یا قرآن خوانی کے متعلق استفسار کیا جاتا ہے کہ قرآن و احادیث میں اس کی دلیل کیا ہے تو دلائل میں عموماً دعا، صدقہ جاریہ، نیابت اور خصائص نبویہ ﷺ سے متعلق روایات پیش کی جاتی

ہیں۔ایصال ثواب کے قائلین کا ماننا ہے کہ جیسے دعا اور صدقہ جاریہ سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے بالکل اسی طرح ”قرآن خوانی اور ذکرو اذکار“ سے بھی میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

گویا ان کے نزدیک ” قرآن خوانی، ذکرو اذکار“ اور ”دعا ،صدقہ جاریہ ،نذرو منت“ایک جیسے اعمال ہیں۔حالانکہ صدقہ جاریہ خالصتاً مرنے والے کا اپنا جاری کردہ عمل ہوتا ہے۔اور نذرومنت بھی وہ عمل ہے جس میں میت کی کسی نا کسی لحاظ سے شراکت موجود ہوتی ہے اسطرح نذرومنت بھی مرنے والے کا اپنا ہی عمل ہوا۔اب چونکہ صدقہ جاریہ اور نذرومنت مرنے والے کے اپنے ہی جاری کردہ اعمال ہوتے ہیں جو کہ اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں اس لئے ان کا فائدہ مرنے والے کو خود بخود ملتا رہتا ہے۔جبکہ قرآن خوانی اور ذکرواذکار وہ اعمال ہیں جو خالصتاً زندوں کی طرف سے میت کے لئے ادا کیے جاتے ہیں ان میں مرنے والے کی کسی بھی لحاظ سے کوئی شراکت نہیں ہوتی،اس لئے ان کا فائدہ مرنے والے کو کیسے پہنچ سکتا ہے؟.....دوسرا یہ کہ دعا ایک التجاء ہے اور دعائے مغفرت سے کسی کی مغفرت تو ہوسکتی ہے لیکن کسی کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ممکن نہیں اور نہ ہی اس طرح کی کوئی دعا قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ اسی طرح ،صدقہ جاریہ اور نیابت (نذرومنت) بھی وہ اعمال ہیں جن کی بنیاد قرآن واحادیث میں موجود ہے۔لیکن قرآن خوانی ،ذکرواذکار کا ثواب دوسروں کو ایصال کرنے کی نہ تو قرآن واحادیث میں بنیاد موجود ہے اور نہ ہی یہ اعمال کسی طور صدقہ جاریہ یا نیابت سے مماثل ہیں۔یہ غلطی بعض روایات کے سوئے فہم کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے لیکن دقت نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان روایات میں دوسرے لوگوں کے اعمال ارسال کرنے کی بات ہی بیان نہیں ہوئی بلکہ وہ مرنے والے کے اپنے اعمال تھے جنہیں وہ اپنی زندگی میں پورا نہ کرسکا اور بعد میں اس کے ورثاء نے انہیں پورا کیا۔

اس کتابچے میں سب سے پہلے ایصال ثواب کی بنیاد یعنی ”ایک شخص کے اعمال کا اجر دوسرے کو ملنا“ کا جائزہ لیا جائے گا اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ کیا ” دعا،صدقہ جاریہ، نیابت“ اور ” قرآن خوانی“ ایک ہی طرح کی چیزیں ہے یا الگ الگ ہیں؟ نیز یہ کہ ان دلائل کو قرآن خوانی یا ایصال ثواب کے ضمن میں پیش کرنا درست ہے یا نہیں؟

عقیدہ ایصال ثواب کی حقیقت

1۔عقیدہ ایصال ثواب اس بنیاد پر کھڑا ہے کہ:

"ایک انسان کے عمل کا اجر کسی دوسرے کو منتقل ہوسکتا ہے"

ہم افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ طبقہ جو ایصال ثواب کا قائل ہے وہ سرے سے اس بنیاد ہی کو نظر انداز کیے ہوئے ہے۔اب ظاہر ہے جو چیز کسی انسان کے اختیار میں ہو، وہی دوسرے کو دی جاسکتی ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ انسان کے اختیار میں صرف اعمال ہیں نا کہ ان اعمال کا اجر و ثواب، اس لئے اس اصطلاح کا نام "ایصال ثواب" کی بجائے "ایصال عمل" ہونا چاہیئے۔

دراصل ثواب نام ہے اس جزائے خیر کا جو اللہ کی جانب سے بندے کو اعمال صالحہ کے عوض دی جائے گی۔جس طرح عذاب اس سزا کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کو جرائم کے باعث دے گا۔اور یہ دونوں امور اللہ کی ملکیت ہیں وہی اس کا فیصلہ کرے گا کہ فلاں عمل کا اجر دیا جائے یا نہیں۔یعنی ثواب انسان کی ملکیت نہیں بلکہ اللہ کی ملکیت ہے اور جو چیز انسان کی ملکیت ہی نہیں اسے دوسروں کو دینے یا نہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔.......... بالفرض اگر ثواب کو انسان کی ملکیت مان لیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا ہو گا کہ عذاب بھی انسان کی ملکیت ہے۔اس طرح تو عذاب بھی اپنی مرضی سے انسان جسے چاہے ایصال کرسکتا ہے،تو اس صورت میں سوچیں انسان اپنے گناہ کسے ایصال کرے گا؟

2۔اس پر کہا جاتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اسلئے اگر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ "اے اللہ میرے اعمال صالحہ کا اجر فلاں کو ارسال فرمادے" تو اللہ کے لئے یہ کام مشکل نہیں۔

اس پر عرض ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ صرف مُردوں کو ہی اعمال کا اجر ایصال کرنے پر قادر ہے یا زندوں کے لئے بھی قادر ہے؟........ اگر اللہ تعالیٰ اعمال کا اجر زندوں کو بھیجنے پر بھی قادر ہے تو پھر مُردوں کیلئے پڑھی جانے والی قرآن خوانی کا اجر زندوں کو ایصال کیوں نہیں کیا جاتا؟

3۔انسان کے اعمال کے اجر (نیکی و گناہ) کا تعلق اس کی دلی کیفیت سے ہے۔یعنی اگر عمل کا مقصد تقویٰ و پرہیزگاری ہے تو اس کا اجر نیکیوں کی صورت میں ملے گا لیکن اگر اللہ کی خوشنودی کی بجائے اس میں دنیاوی حصول اور ریاء شامل ہوا تو چاہے کام کی نوعیت نیک ہی کیوں نہ ہو اس کا اجر نیکی کی بجائے گناہ میں بدل جائے گا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (انما الا اعمال بالنیات) "اعمال کا مدار نیت پر ہے" (بخاری:1، مسلم:1907) یعنی جیسی نیت ہوگی ویسا ہی اجر ملے گا"..........اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتے ہیں:

(لَن يَّنَالَ اللهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِن يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُم)(حج ۲۲:۳۷)

"اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے" (ترجمہ: احمد رضا خاں بریلوی)

(اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ)(مائدہ۵: ۲۷)

"اللہ تو ان لوگوں سے (قربانی) قبول کرتا ہے جو متقی ہوں" (ترجمہ: مفتی تقی عثمانی)

پہلی آیت یہ بتا رہی ہے کہ جو کام تقویٰ سے خالی ہو وہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہی نہیں ہوتا اور دوسری آیت یہ بتا رہی ہے کہ ان ہی لوگوں کا عمل قبول ہوتا ہے جو متقی ہیں۔ان دونوں آیات کے مفہوم سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب تک عمل تقویٰ کے زیر اثر نہ ہو، اللہ کے ہاں اس کا کوئی ثواب یا نیکی نہیں۔اور دوسرا یہ کہ اللہ کے ہاں انسان کے اعمال کا تقویٰ پہنچتا ہے اور تقویٰ نا قابل انتقال شے ہے کیونکہ تقویٰ دلی کیفیت کا نام ہے جو کسی کو بخشا یا ایصال نہیں کی جا سکتا۔

پس ثابت ہوا کہ قرآن خوانی یا کسی بھی نفلی عبادت سے انسان کو ایک تقویٰ حاصل ہوتا ہے جو انسان کے اپنے ہی ساتھ خاص رہتا ہے اسے کسی زندہ یا مُردہ کو ارسال نہیں کیا جا سکتا۔ اور بالفرض اگر منتقل ہو سکتا تو پھر ثواب کے ساتھ ساتھ گناہ بھی ایصال کیے جا سکتے۔

4۔ اس پر کہا جاتا ہے کہ اگر "تقویٰ اور نیت" دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی تو اسطرح تو نہ صدقہ مالیہ صحیح ہوگا، نہ دعا پہنچے گی نہ حج بدل۔

جواباً عرض ہے کہ اس اعتبار سے تو یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جس طرح مردے کے پاس کسی عمل نیک کا ثواب جو کسی دوسرے نے اس کے لئے کیا ہو بالکل نہیں پہنچتا، نہ کسی کی دعا کسی مردے کے پاس پہنچتی ہے اور نہ دعا کا ثواب پہنچتا ہے .... لیکن اگر کوئی کسی دوسرے مومن زندہ یا مُردہ بھائی کے لئے "دعائے رحمت و مغفرت" اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔ یا کسی زندہ کے لئے "شفائے مرض و ترقی دنیاوی" کے لئے دعا کرتا ہے تو ایسی دعاوں میں "تقویٰ یا نیت" کے انتقال کا ایک دوسرے کی طرف سوال ہی نہیں۔ دوسرا یہ کہ ان دعاوں کا تو خود اللہ نے قرآن میں حکم فرمایا ہے۔

5۔ قرآن میں ایصال ثواب (ایک کا عمل دوسرے کے کھاتے میں) کے عقیدہ کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے جزا و ثواب کو انسان کے ذاتی عمل پر موقوف فرمایا ہے۔ جیسے ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ﴾ "ان کے لئے ان کی کمائی ہے اور تمہارے لئے تمہاری کمائی ہے" (البقرہ ۲: ۱۴۱) ﴿وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ "اور تم جزا نہیں دیئے جاو گے مگر ان اعمال کی جو تم کیا کرتے تھے" (الصفٰت ۳۷: ۳۹) (وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ) "اور یہ کہ انسان کیلئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے کوشش کی" (النجم ۵۳: ۳۹) (إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ) "پس تم کو تو اس کی جزا مل رہی ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے" (التحریم ۶۶: ۷، الطور ۵۲: ۱۶)

قرآن کریم کی مذکورہ آیات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جس طرح کسی کے گناہ کا بوجھ

کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکتا بالکل اسی طرح کسی کا عمل خیر دوسرے کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔

قارئین آپ نے ملاحظہ کیا کہ عقیدہ ایصال ثواب کی قرآن وحدیث میں کوئی بنیاد نہیں، بلکہ قرآن ایصال ثواب کے برخلاف جزاوسزا کو انسان کے ذاتی اعمال سے متعلق ٹھہراتا ہے۔اس کے بعد اب ہم ان تمام دلائل کا جائزہ لیں گے جو ایصالِ ثواب کے قائلین کی طرف سے قرآن واحادیث سے پیش کیے جاتے ہیں اور دیکھیں گے کہ یہ دلائل "قرآن خوانی یا ایصال ثواب" سے کس طرح مختلف ہیں۔

پہلی دلیل:

دعااورایصال ثواب میں فرق

قرآن کریم میں جو دعائیں مُردوں سے متعلق ہیں، قائلین ایصال ثواب سب سے پہلے ان دعاؤں کو پیش کرکے ایصال ثواب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن میں جتنی بھی دعائیں ہیں کسی ایک دعا میں بھی ایک انسان کے اعمال کا ثواب دوسرں کو بخشنے یا ایصال کرنے کی بات بیان نہیں ہوئی بلکہ تمام دعاؤں میں سب سے پہلے اپنے لئے پھر زندوں کے لئے پھر اس کے بعد مُردوں کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کی گئی ہے۔ اس لئے ان دعاؤں کا ایصال ثواب سے کوئی تعلق نہیں یعنی" قرآن خوانی" اور" دعا" ایک شئے نہیں بلکہ ان میں درج ذیل فرق ہے۔

ا۔ ایصال ثواب کا مطلب" انتقالِ اجر" جبکہ دعا" التجاء" ہے

"ایصال ثواب یا قرآن خوانی" خاص طور پر پاک وہند کے مسلمانوں میں ایک معروف اصطلاح ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ" ایک مسلمان کوئی نیک عمل خود کرے اور اس عمل سے پہلے یا بعد میں اللہ سے یہ دعا کرے کہ اس نیک عمل کا اجر یا مزدوری جو مجھے ملنی چاہیے وہ میں نے فلاں کو بخش دی۔ اور ساتھ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ میرے عمل کا جتنا اجر مُردے کو ایصال ہوگا اتنا اجر مجھے بھی ملے گا"

جبکہ دعا میں اپنے اور کسی دوسرے (زندہ ومردہ) کے حق میں اللہ سے مغفرت کی التجا کی جاتی ہے، ثواب حاصل کرکے کسی کے نام ارسال نہیں کیا جاتا۔ اپنے عمل کا اجر کسی کو منتقل یا ایصال کرنا اور شے ہے جبکہ بغیر کوئی عمل کئے صرف اللہ تعالیٰ سے کسی زندہ ومردہ دونوں کیلئے رحمت ومغفرت کی التجا ودرخواست کرنا اور بات ہے، چاہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے یا نہ فرمائے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے زیادہ نیک کون ہوسکتا

ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کے باوجودان کے بیٹے کونہیں بخشا۔اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے خلیل اللہ نے اپنے باپ کے لیے دعا فرمائی لیکن وہ بھی قبول نہ ہوئی۔یعنی دعائے مغفرت سے کسی کی مغفرت تو ہوسکتی ہے لیکن اپنا ثواب کسی دوسرے کو منتقل نہیں ہوسکتا۔

۲۔دعا زندہ اور مُردہ دونوں کیلئے جبکہ ایصال ثواب صرف زندوں کے لئے

قرآن میں جو دعائیں مُردوں سے متعلق ہیں وہ اوّلاً زندوں کیلئے ہیں۔جس میں دعا کرنے والا خود سب سے پہلے شامل ہوتا ہے اور اسکے بعد مُردوں کو اس میں شامل کیا جاتا ہے۔جبکہ "قرآن خوانی" خالصۃً مُردوں کیلئے ہے زندوں کو اس میں شامل ہی نہیں کیا جاتا ہے۔اگر دعا اور ایصال ثواب ایک چیز ہوتی تو قرآن خوانی کو مُردوں ہی کے ساتھ خاص کیوں سمجھا جاتا؟ نیز یہ کہ اگر "دعا" اور "ایصال ثواب" ایک شے ہے تو علماء کو چاہیے کہ کبھی کبھار اپنے لئے اور زندہ انسانوں کے لئے بھی قرآن خوانی کروا کر "ایصال ثواب" کا اہتمام کیا کریں۔آیئے اب دیکھتے ہیں کہ قرآن میں جو دعائیں مُردوں سے متعلق مذکور ہیں ان میں کیا تعلیم دی گئی ہے۔حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

(رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ)

"اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو" (نوح ۷۱: ۲۸)

یہاں اولاً اپنی ذات کے لئے دعا ہے، بعد میں والدین کے لئے بشرطیکہ اس دعا کے وقت والدین وفات پا چکے ہوں، ورنہ یہ دعا بھی خالص زندوں کے لئے ہوگی۔لیکن اگر والدین کا انتقال ہو چکا تھا تب یہ دعا زندوں اور مردوں دونوں کو شامل ہوگی اور سب سے اہم بات یہ کہ اس دعا میں کہیں بھی قرآن خوانی یا کوئی عمل کر کے اس کا اجر دوسرے لوگوں کی طرف ایصال کرنے کا ذکر نہیں۔یہی طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار فرمایا، انہوں نے دعا فرمائی۔

(رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ ٥ رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ)

"اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کونماز قائم رکھنے والا بنا، اے ہمارے رب! اورتو میری دعا قبول فرما۔اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو (بخش دے) اور سب مسلمانوں کو بھی، جس دن حساب قائم ہوگا" (ابراھیم ۱۴:۴۱)

اس دعا میں اپنے اوراپنی اولاد کے بارے اقامت صلوۃ کا ذکر ہے، اس لحاظ سے یہ دعا بھی زندوں کے ساتھ خاص ہوئی کیونکہ نماز پڑھنے کا حکم زندوں سے ہی متعلق ہے۔اس دعا میں دوسری بات اپنے لئے، ماں باپ کے لئے اور پھر تمام مومنوں کے بارے بخشش کی دعا کی گئی ہے۔تو اس پر کسے اعتراض ہوسکتا ہے۔ضرور سب کے لئے بخشش کے لئے دعا کرنی چاہیے اور تمام مسلمان کرتے بھی ہیں لیکن یہاں بات ہورہی ہے قرآن خوانی کر کے اس کا اجر میت کو ایصال کرنے کی جس کا ذکر اس دعا میں نہیں؟ ...... اب قرآن میں صرف ایک دعا باقی رہ جاتی ہے جس میں مرنے والوں کے لئے تعلیم دی گئی ہے اور وہ سورہ حشر کی یہ دعا ہے۔

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

"اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ" (الحشر ۵۹:۱۰)

اس آیت میں بھی پہلے اپنے لئے دعا ہے پھر باقی مومنین کے لئے۔اس سے پہلی آیت میں مہاجرین وانصار کا ذکر ہے اس کے بعد آنے والی نسلوں کا اوران کی جانب سے یہ دعا نقل کر کے انہیں تعلیم دی گئی کہ مسلمان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں اوران کی جانب سے دل میں کسی قسم کا کینہ نہ رکھیں۔الغرض یہ کہ قرآن کی جتنی بھی دعائیں مُردوں سے متعلق ہیں ان میں سب سے پہلے اپنے لئے اور پھر تمام زندہ ومُردہ کے لئے مغفرت کی التجاء کی گئی ہے قرآن خوانی

کر کے یا کوئی نیک عمل کر کے اس کا اجر مرنے والے کو ایصال نہیں کیا گیا۔ اس لئے ان تمام دعاؤں کو ایصال ثواب کے ضمن میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے علاوہ قرآن میں جتنی بھی دعائیں ہیں وہ سب زندہ لوگوں سے متعلق ہیں اور ان میں اللہ سے ہدایت، رحمت اور نصرت کی التجا کی گئی ہے۔ مثلا سورہ بنی اسرائیل میں زندہ والدین لیے ایک دعا سکھائی گئی ہے جس میں قرآن خوانی یا کوئی نیک عمل کر کے اس کا اجر ایصال کرنے کی بجائے والدین کے لئے اللہ سے رحم مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

(وَاخفِض لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحمَةِ وَقُل رَّبِّ ارحَمهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا)

"اور ان دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز و انکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا" (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۴)

احادیث سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعائیں تلقین فرمائی ہیں ان کا کثیر حصہ صرف زندوں کے لئے ہے مثلاً سلام اور اس کا جواب دونوں دعائیہ کلمات ہیں۔ اسی طرح "یرحمك الله" "بارك الله" "یغفر الله" اور "رحمه الله" جیسے تمام دعائیہ جملے زندوں کیلئے استعمال کیے جاتے ہیں..... مُردوں کو قبرستان میں جا کر اعزازاً سلام عرض کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی "اپنے اور مُردوں" کیلئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ نماز کے اندر اور فارغ ہونے کے بعد جو دعائیں کی جاتی ہیں ان کا کثیر حصہ "محض زندوں" کیلئے ہوتا ہے، کیا ان دعاؤں کو ایصال ثواب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟...... ہرگز نہیں۔

اس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ دعا کا اصل اصول یہ ہے کہ اولاً دعا اپنی ذات کے لئے کی جائے اور بعد میں مرنے والوں کے لئے، یعنی ہر صورت میں زندوں کا حق مُردوں پر مقدم ہے۔ یہی اصول نمازِ جنازہ میں بھی اختیار کیا گیا ہے اور یہ دعا تعلیم دی گئی ہے۔

(اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا اللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الإِسْلاَمِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الإِيمَانِ اللّٰهُمَّ لاَ تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلاَ تُضِلَّنَا بَعْدَهُ)

"اے اللہ ہمارے زندوں ہمارے مردوں ،ہمارے موجود لوگوں ،ہمارے غائب لوگوں ،ہمارے چھوٹوں ،ہمارے بڑوں ،ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کی مغفرت فرما۔اے اللہ آپ ہم میں سے جسے زندہ رکھیں اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے ہم میں سے وفات دیں اسے ایمان پر وفات دے۔اے اللہ!اس (جانے والے) کے اجر سے ہمیں محروم نہ کرنا اور اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کر دینا"(سنن ابن ماجہ: 1498،سنن ابن ابی داود:3201)

یہ الفاظ خود اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ دعا میں زندہ اور مُردہ دونوں ہی شریک ہیں اور دعا میں زندوں کا حق مُردوں پر مقدم ہے۔اگر دعا اور ایصال ثواب ایک شے ہے تو پھر ہمیں چاہیے کہ اولاً زندوں کے لئے "قرآن خوانی" کا اہتمام کریں اور پھر اسی طرح "فاتحہ خوانی" بھی اولاً اپنے لئے ایصال کریں اور مُردوں کو ایصال بعد میں کریں۔ظاہر ہے ایسا کوئی نہیں کرے گا تو اس سے ثابت ہوا کہ دعا اور شے ہے اور ایصال ثواب اور شے ہے۔دعا بارگاہِ الٰہی میں التجا ہے اور ایصال ثواب نام ہے اپنے عملِ خیر کا اجر، دوسروں کے نام منتقل کرنے کا۔اس لئے دعا کو ایصال ثواب کی دلیل کے طور پر پیش کرنا درست نہیں کیونکہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

۳۔قرآن میں دعا کا حکم جبکہ ایصال ثواب کا اشارہ بھی نہیں

قرآن میں مُردوں کے لئے ایصال ثواب کی ایک مرتبہ بھی تلقین نہیں کی گئی جبکہ دعا کے بارے انسان پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتا رہے۔

(وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ)

"اور تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا" (مومن ۴۰:۶۰)

بلکہ ایک مقام پر تو اپنے لیے دعا نہ کرنے والوں کو عذاب جہنم کی تنبیہ کی گئی ہے ارشاد ہے:

(وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ)

"اور تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا جو لوگ (صرف) میری اس عبادت سے گریز کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے" (المومن ۴۰:۶۰)

ان آیات کی رو سے دعا فرض ہے اگر دعا اور ایصال ثواب ایک شے ہے تو پھر ایصال ثواب بھی فرض ہونا چاہیئے جبکہ ایصال ثواب کے قائلین "ایصال ثواب" کو صرف "مستحب" کا درجہ دیتے ہیں۔

۴۔ اگر دعا سے ایصال ثواب تو پھر بد دعا سے ایصال عذاب ثابت ہوتا ہے

اگر دعا سے ایصال ثواب ثابت ہوتا ہے تو پھر دعا کی ایک قسم "بددعا" بھی کہلاتی ہے۔ اور وہ شرعاً بعض حالات میں بعض انسانوں کے لئے جائز بھی ہے۔ اگر "دعا" اور "ایصال ثواب" ایک شے ہوگی تو پھر "بددعا" اور "ایصال عذاب" بھی ایک شے ہوگی۔ حالانکہ ہمارے علماء "بددعا" کے جواز کے تو قائل ہیں لیکن "ایصال عذاب" کے قائل نہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ "ایصال ثواب" اور "دعا" دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ المختصر یہ کہ دعا سے کسی کی مغفرت تو ہوسکتی ہے لیکن کسی کو اپنی نیکیاں ارسال نہیں ہوسکتی اور ایصال ثواب کا مطلب یہی ہے کہ اپنی نیکیاں کسی کو ارسال کرنا۔

دعا کے بعد دوسری دلیل جو ایصال ثواب کے ضمن میں پیش کی جاتی ہے وہ صدقہ جاریہ ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا صدقہ جاریہ اور ایصال ثواب ایک ہی شے ہے؟ اور کیا صدقہ جاریہ کو ایصال ثواب کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے؟

دوسری دلیل:

صدقہ جاریہ اور ایصال ثواب میں فرق

انسان کے اکثر اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کا اجر انسان کو اسی وقت مل جاتا ہے۔ جبکہ کچھ اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جو انسان کی موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں ان کا اجر (اچھا یا برا) اسے مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔........ صدقہ جاریہ کا مطلب یہ ہے کہ "مرنے والا اپنی زندگی میں کوئی ایسا عمل کر کے فوت ہوا ہو جس کا اجر اسے مرنے کے بعد بھی ملتا رہے" مثلاً مسجد و مدرسہ یا ضرورت مندوں کیلئے کسی ہسپتال کی تعمیر، دین کی تعلیم دینا، کتابیں وقف کرنا، اولاد کو نیک تربیت دینا وغیرہ یہ سب "صدقہ جاریہ" افعال ہیں۔ یہ وہ اعمال ہیں جس میں مرنے والے کی شمولیت ہوتی ہے اور ان کا ثواب مرنے والے کو خود بخود ملتا رہتا ہے نا کہ کسی کے پہچانے سے۔ جبکہ مروجہ ایصال ثواب میں لوگ اپنی طرف سے قرآن خوانی یا نفلی اعمال کا اجر میت کو بخشتے ہیں جس کی دلیل ہمیں قرآن و احادیث میں نہیں ملتی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ صدقہ جاریہ کی احادیث میں کیا بات بیان ہوئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> "جب انسان مرتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے (یعنی وہ منقطع نہیں ہوتے) صدقہ جاریہ، یا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے یا نیک بیٹا جو اس کے لئے دعا کرے"
>
> (مسلم:4223)

اس حدیث نے حتمی فیصلہ کر دیا کہ مرنے کے بعد انسان کو صرف تین ذرائع سے فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ان تین ذرائع کے علاوہ شریعت اسلامیہ میں کوئی اور ذریعہ موجود نہیں۔ یعنی مرنے کے بعد صرف تین چیزیں کام آتی ہیں صدقہ جاریہ، نیک اولاد جس کی اچھی تربیت کی وہ والدین کے مرنے کے بعد ان کے

لئے دعا کرتی ہے، اور وہ علم جس سے لوگ مستفیذ ہوتے رہیں۔ یہ تینوں امور ایسے ہیں جو ایصال اور پارسل کیے بغیر اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق مرنے والے کو خود بخود پہنچتے رہتے ہیں۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ انصاری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

”آدمی اپنے بعد تین چیزیں چھوڑ کر جاتا ہے، نیک لڑکا جو اس کے لئے دعا کرے، صدقہ جاریہ کہ اسے اس کا اجر ملتا رہے، اور علم جس پر اس کے بعد عمل کیا جائے“ (ابن ماجہ: 241)

یہی تین چیزیں ہیں جن کا اجر انسان کو مرنے کے بعد خود بخود ملتا رہتا ہے۔ اس کے لئے کسی دن کے تعین کی ضرورت ہے اور نہ کسی وقت کی، نہ اس کے لئے برادری اور احباب جمع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ پیسہ لگانے کی۔ ایک اور حدیث میں اس کی تشریح ان الفاظ میں ملتی ہے کہ:

”مومن کو اس کے مرنے کے بعد، اس کے عمل اور نیکیوں میں سے جو چیزیں ملتی رہتی ہیں ان میں ایک تو علم ہے جسے وہ پھیلا کر جائے، نیک لڑکا ہے جو اس کے لئے دعا کرے، قرآن ہے جو ترکہ میں چھوڑ کر مرے، مسجد جو اس نے بنائی، نہر جو اس نے جاری کی ہو اور وہ صدقہ ہے جو اس نے اپنی زندگی میں حالت صحت میں کیا ہو۔ یہ امور مرنے والے کو بعد میں بھی حاصل ہوتے رہتے ہیں“ (ابن ماجہ:242)

ایسے جتنے بھی اعمال ہیں جن کا اجر مُردے کو خود بخود پہنچتا ہے یہ تمام خود مرنے والے کے اپنے اعمال ہیں یا اس نے ان کی ابتداء کی تھی۔ ان تمام احادیث میں کسی ایسے عمل کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ملتا جس میں مُردے کے عمل کو دخل نہ ہو۔ جبکہ مروجہ ایصال ثواب میں لوگ اپنی طرف سے قرآن خوانی اور ذکر و اذکار کر کے اس کا اجر میت کو بخشتے ہیں، اس لئے صدقہ جاریہ کو ایصال ثواب کی دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ صدقہ جاریہ صرف مالی صدقہ کا نام نہیں۔ بلکہ اگر کسی کو علم سکھایا اور دین کی راہ پر ڈالا تو یہ بھی صدقہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"صدقہ یہ ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کو دین کی تعلیم دے، پھر وہ دوسروں کو تعلیم دے"
(ابن ماجہ:243)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔

"جس شخص نے علم کی تعلیم دی اس کے لئے اس شخص کا اجر ہے جو اس پر عمل کرے۔ اور عمل کرنے والے کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی" (ابن ماجہ:240)

اگرچہ فقہی نقطہ نظر سے جس عمل یا وصیت کا تعلق مال سے ہو تو اسے "صدقہ جاریہ" کہا جاتا ہے، اور اگر اس کا تعلق تعلیم و تربیت سے ہو تو اسے "سنت جاریہ" کہتے ہیں، نام کوئی بھی رکھ لیں مقصود صرف اتنا ہے کہ یہ عمل مرنے والے کا تصور کیا جائے گا کیونکہ اسی نے اس کی بنیاد رکھی تھی اس لئے اس کام کے اجر میں اس کا بھی حصہ ہوگا۔ حضرت جریرؓ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جو اسلام میں (سُنَّةً حَسَنَةً) "نیک طریقہ" کی ابتداء کرے اس پر بعد میں عمل ہوتا رہے اس کے لئے ان عمل کرنے والوں کا اجر بھی لکھا جائے گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اور جس نے اسلام میں (سُنَّةً سَيِّئَةً) برے طریقے کو پھیلایا اور اس پر لوگوں نے عمل کیا تو ان کے گناہ بھی اس کے ذمہ لکھے جائیں گے اور ان عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کمی نہ کی جائے گی" (مسلم:2351، ابن ماجہ:203، دارمی:529)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا۔

"میں قیامت کے روز سب سے بڑے اجر کا مالک ہوں گا، میرے لئے میرا اجر بھی ہے اور ان لوگوں کا اجر بھی ہوگا جو میری اتباع کریں" (دارمی:532)

اگر صدقہ جاریہ ایصال ثواب تو پھر ایصال عذاب بھی

اوپر مذکورہ حدیث میں جہاں (سُنَّةً حَسَنَةً) "نیک طریقہ" جاری کرنے اور اس کا اجر جاری رہنے کی بات بیان ہوئی وہیں (سُنَّةً سَيِّئَةً) "برے طریقے" کا بھی ذکر ہوا ہے اور اس کا اجر بھی جاری رہنے کا ذکر ہوا ہے فرمایا کہ "جس نے اسلام میں برے طریقے کو پھیلایا اور اس پر لوگوں نے عمل کیا تو ان کے گناہ بھی اس کے ذمہ لکھے جائیں گے۔ اور ان عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کمی نہ کی جائے گی"...... اس حدیث سے تو "ایصال عذاب" بھی ثابت ہو گیا۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ ثواب و عذاب بغیر ارسال کیے پہنچتا رہتا ہے اس کے لئے کسی ڈنر یا تقریب کے اہتمام کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کیونکہ یہ "عمل جاریہ" ہیں اس لئے ان کا اجر بھی "اجرِ جاریہ" ہے۔ اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس شخص نے لوگوں کو ہدایت کی دعوت دی تو اسے اس ہدایت کی پیروی کرنے والوں کے اجر کے برابر اجر ملے گا اور ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اور جس شخص نے گمراہی کی دعوت دی تو اس پر ان لوگوں کا گناہ بھی ہو گا جنہوں نے اس گمراہی میں اس کی اتباع کی اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی" (مسلم:6804، ابن ماجہ:206، ترمذی:2674)

یہ وہ ایصال ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہے لیکن اس میں مرنے والے کی اپنی شراکت موجود ہوتی ہے، اس لئے ان اعمال (اعمالِ جاریہ) کا اجر مرنے والے کو اللہ کے قانون کے مطابق خود بخود ملتا رہتا ہے کوئی دوسرا شخص اپنی طرف سے کوئی عمل کر کے نہ اپنے گناہ کسی کو ارسال کر سکتا ہے اور نہ ثواب۔ ارشاد الٰہی ہے:

(لِيَحۡمِلُوٓاْ أَوۡزَارَهُمۡ كَامِلَةً يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ وَمِنۡ أَوۡزَارِ ٱلَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيۡرِ عِلۡمٍۗ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُونَ)

"کہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان کے جنہیں اپنی جہالت سے گمراہ

کرتے ہیں، سن لو کیا ہی برا بوجھ اٹھاتے ہیں" (النحل ۱۶: ۲۵)

(وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ وَلَيُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ)

"ہاں ضرور وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسرے بہت سے بوجھ بھی، اور قیامتکے روز یقیناان سے ان افترا پردازیوں کی باز پرس ہوگی جو وہ کرتے رہے ہیں" (العنکبوت ۲۹: ۱۳)

یعنی اپنا بوجھ تو وہ غلط راستے پر چلنے کی وجہ سے اٹھائیں گے اور دوسروں کا بوجھ انہیں گمراہ کرنے کے سبب اٹھانا پڑے گا۔ نبی صلی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"کوئی جان ایسی نہیں جو ظلماً قتل کی جائے اس کا گناہ آدم کے پہلے بیٹے پر ضرور ہوگا جس نے اولاً قتل کی بنیاد رکھی" (بخاری: 3335)

حاصل کلام یہ کہ اس قسم کا عمل جس کی بنیاد مرنے والے نے خود رکھی ہو، اسے اس کا اجر خود بخود پہنچتا رہتا ہے خواہ اس عمل کا تعلق کارِ خیر سے ہو یا کارِ شر سے۔ اگر یہ عمل خیر ہے تو ایصال ثواب ہوگا اور اگر شر ہے تو ایصال عذب ہوگا۔ اس میں وارثین کے کسی ارادے اور عمل کو کوئی دخل نہیں۔ یہ ایصال تو قدرت الٰہیہ کی جانب سے ہو رہا ہے، لیکن ہمارے بھائی اس ایصال کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ جتنا پیسہ قُل، تیجہ ساتا، چالیسواں اور برسی نامی رسموں پر خرچ کیا جاتا ہے وہ کسی ضرورت مند کو خاموشی سے دے دیا جائے، یا کسی دینی تعلیم میں لگا دیں۔ اگر مُردے کو ثواب نہ بھی ملا تو آپ ہرگز ثواب سے محروم نہ رہیں گے۔ لیکن ایسے کاموں کے لئے کوئی بھی شخص تیار نہیں ہوتا اس لئے کہ ناک آڑے آتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ کہ ماں باپ نے پڑھایا لکھایا بڑا کیا پرورش کی اور آج ان کی وفات پر قل اور چالیسواں بھی نہ کروا سکا۔

تیسری دلیل:

نیابت اور ایصال ثواب میں فرق

ہم نے ابھی دیکھا کہ دعا اور صدقہ جاریہ، ایصال ثواب سے مختلف چیزیں ہیں۔مرنے والوں کے لئے صرف "دعائے مغفرت" کی جاسکتی ہے جبکہ صدقہ جاریہ" انسان کے اپنے ہی جاری کردہ اعمال ہوتے ہیں جو انسان کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتے ہیں" اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں اسلیے مرنے والے کو ان اعمال کا اجر(گناہ یا ثواب) خود بخود ملتا رہتا ہے۔

صدقہ جاریہ وہ اعمال جاریہ ہیں جن کی تکمیل انسان کی زندگی میں ہی ہوجاتی ہے۔لیکن وہ اعمال جو ادھورے یا نامکمل رہ جاتے ہیں مثلا کوئی منت مانی تھی ،کوئی قرض تھا،کوئی کام جسکی ابھی نیت کی تھی یا کوئی ایسا کام جسکی مرنے سے پہلے اپنے ورثا کو وصیت کی تھی جسے اس کے ورثاء بعد میں پورا کرتے ہیں،ان امور کو کتب فقہ میں "نیابت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چونکہ ان کاموں کی" ابتداء و نیت" مرنے والے نے خود کی تھی ، اور اسی کے مال سے یہ اعمال سر انجام دیئے گئے ،اس لئے یہ تمام کام بھی اسی کی طرف متصور ہوں گے اور ان کا اجر بھی اسی کو ملنا چاہیے۔گویا مرنے والا ایک "موکل" کی طرح ہے اور وارث جو یہ کام مرنے والے کی جانب سے سر انجام دیتا ہے اس کی حیثیت صرف ایک وکیل کی ہے۔اور وکیل چونکہ ان امور کی تکمیل کا ذریعہ ہے لٰہذا وہ بھی اللہ کے ہاں اپنی سعی کے اجر کا مستحق ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

" جب کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے صدقہ کرتی ہے تو اسے بھی ثواب ملتا ہے،خاوند کو بھی اور خزانچی کو بھی ۔لیکن ان میں سے کسی کے ثواب میں کمی نہیں کی جاتی ۔خاوند کو اس لئے کے اس نے

مال کمایا تھا اور عورت کو اس لئے کہ اس نے خرچ کیا" (نسائی: 2540)

نیابت کے سلسلہ میں ہمیں کتب روایات میں تین طرح کی روایات ملتی ہیں۔جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرنے والے کی نذر ومنت یا نامکمل امور کو قرض پر قیاس فرماتے ہوئے اس کے ولی کو تکمیل کی اجازت فرمائی ہے۔ان روایات میں بدنی، مالی اور مرکب یعنی تمام طرح کے افعال کا ذکر ملتا ہے لیکن ان میں سے اکثر روایات مضطرب اور شدید اختلافی ہیں کیونکہ جن صحابہ سے یہ روایات مروی ہیں ان کے اپنے فتاویٰ ان روایات کے خلاف ہیں اس لئے فقہاء نے یہ طے کیا ہے کہ نیابت کس عمل میں جائز ہے اور کس میں نہیں۔

آیئے اب ترتیب وار ان روایات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ان میں کیا بات بیان ہوئی ہے اور کیا نیابت اور ایصال ثواب ایک شئے ہے؟ اور کیا نیابت کو ایصال ثواب کی دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے؟

مالی عبادات:

صدقہ، نذر ومنت

مالی عبادات میں ہمیں صرف حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ملتی ہے جس کے مختلف طرق ہیں۔ یہ روایت ایصال ثواب کے سلسلے میں سند کے طور پر پیش کی جاتی ہے اس روایت کے مطابق حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ عمرو رضی اللہ عنہا بنت مسعد کا انتقال ہوا تو وہ ان کی خدمت میں موجود نہ تھے۔ بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوہ دومۃ الجندل میں شریک تھے۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میری والدہ فوت ہو گئیں اور میں اسوقت ان کی خدمت میں حاضر نہیں تھا۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سوال کیے، ان سوالات کو راویوں نے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے جن میں صدقہ، نذر ومنت، سبیل، باغ اور غلام کی آزادی جیسے الفاظ ملتے ہیں۔ ہم ان سب الفاظ کو سامنے رکھ کر سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ اصل بات کیا تھی۔

امام نسائی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے الفاظ کو اسطرح نقل کیا ہے کہ:

"حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا (أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ) کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (سَقْيُ الْمَاءِ) پانی پلانا" (نسائی: 3695)

اس روایت سے صرف "صدقہ" کے بارے پوچھنے کا ذکر ہے لیکن کیوں پوچھا یہ واضح نہیں۔ اسی روایت کو نسائی نے دوسری سند سے بیان کیا ہے جس میں اپنی ماں کی طرف سے پانی بطور صدقہ پلانے کا ذکر ہے۔

"میری ماں مرگئی میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: (أَفَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا) "کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں میں نے عرض کیا کونسا صدقہ افضل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانی پلانا" (نسائی:3694)

اس روایت میں ماں کی وفات کے ساتھ صدقہ پوچھنے کا ذکر ہے لیکن صدقہ کرنے کی وجہ نہیں بتائی گئی۔ حسن بصریؒ کی روایت جو سنن نسائی میں مروی ہے اس میں ماں کی وفات کے ساتھ سبیل کا ذکر ہے دیکھئے:

(أَ فَأَتَصَدَّقُ عَنۡهَا) "کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانی پلانا۔ اس کے بعد حسن بصری کہتے ہیں "یہ مدینہ میں سعد کی سبیل ہے" (نسائی: 3696)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام عکرمہ سے جو روایت مروی ہے اس میں سبیل کی بجائے باغ کا ذکر ہے دیکھئے:

"ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میری ماں مرگئی۔ (إِنۡ تَصَدَّقۡتُ عَنۡهَا ؟) اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو کیا یہ صدقہ اسے نفع پہنچا سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب اثبات میں دیا انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (أَنِّي قَدۡ تَصَدَّقۡتُ بِهِ عَنۡهَا) میرا فلاں باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے" (نسائی:3680، ترمذی:669)

اس سلسلے میں امام مالکؒ نے اپنی موطا میں جو روایت نقل کی ہے اس میں کنویں کا ذکر ہے لیکن کنویں کا نام نقل نہیں ہوا۔ دیکھئے

"(أَنۡ أَتَصَدَّقَ عَنۡهَا ؟) اگر میں ان کی جانب سے صدقہ کروں تو شاید یہ چیز اسے کچھ نفع پہنچائے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اقرار فرمایا۔ جس پر سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حَائِطُ كَذَا وَكَذَا صَدَقَةٌ عَنۡهَا) میرا فلاں باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔ پھر انہوں نے ایک باغ کا نام بھی لیا" (موطا امام مالک:1465)

نسائی، ترمذی اور موطا کی روایات میں باغ کا تو ذکر ہے لیکن باغ کا نام نہیں ملتا۔ جبکہ صحیح بخاری میں امام بخاری جو روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام عکرمہ سے لائے ہیں اس میں باغ کا نام مخراف بھی ملتا ہے۔ دیکھئے:

"(إِنۡ تَصَدَّقۡتُ بِهِ عَنۡهَا ؟) اگر میں ان کی طرف سے خیرات کروں تو انہیں اس کا فائدہ پہنچے گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! (حَائِطِیَ الْمِخْرَافُ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا) انہوں نے کہا میرا مخراف نامی باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے" (بخاری: 2762)

ابھی تک ہم نے جو روایات نقل کی ہیں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کسی میں بھی پوری بات بیان نہیں ہوئی۔ کسی روایت میں محض پانی بطور صدقہ پلانے کا ذکر ہے تو کسی میں والدہ مرحومہ کے لئے پانی بطور صدقہ کا ذکر ہے، پھر ایک روایت میں سبیل وقف کرنے کا ذکر ہے پھر دو روایتوں میں باغ کا ذکر ہے اور آخری روایت میں باغ کے نام مخراف کا بھی ذکر ہے۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :

"حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں مرگئی اور اس کے ذمہ نذر تھی جو وہ پوری نہ کرسکی۔ آپ نے فرمایا! (اقْضِهِ عَنْهَا) تو اس کی جانب سے پوری کرو" (نسائی: 3693، ترمذی: 1546، ابوداود: 3307، بخاری: 6698، مسلم: 4235)

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ تو نذر کا تھا۔ لیکن اس روایت سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ نذر کیا تھی؟........ تاہم نسائی میں جو روایت سلیمان بن کثیر سے مروی ہے اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کس چیز کی نذر مانی تھی۔ ان کے الفاظ اسطرح ہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آکر عرض کیا کہ:

"(إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ) میری ماں مرگئی اور اس کے ذمے نذر تھی (أَفَيُجْزِءُ عَنْهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا) اگر میں اس کی جانب سے غلام آزاد کروں تو کیا اس کی جانب سے کافی ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا! اپنی ماں کی جانب سے غلام آزاد کرو" (نسائی: 3686)

یہ روایت تمام محدثین کے قریب قابل قبول ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے وصیت و عدم وصیت یا سبیل وغیرہ کا کوئی چکر نہیں تھا، بلکہ غلام کی آزادی کا مسئلہ تھا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ نے نذر مانی تھی۔

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ روایات شدید مضطرب ہیں اور ان کی سند بھی مرسل ہے۔تاہم اگر ان سب روایات کو بغیر کسی جرح ونقد کے قبول کر لیا جائے تب بھی ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کسی کام کی منت مانی تھی جسے وہ پورا کرنے سے پہلے فوت ہوگئیں ۔ چونکہ واقعہ ایک ہی ہے تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ مرنے والے نے کسی ایک ہی کام کی منت مانی تھی لیکن راوی اسے صحیح طرح یاد نہ رکھ سکے۔اس لیے ہمیں روایات میں پانی، کنواں، باغ، احاطہ یا غلام آزاد کرنے جیسے مختلف الفاظ ملتے ہیں۔لیکن قطع نظر اس سے کہ ان کی منت کیا تھی، مقصود مال خرچ کرنے کی نیت تھی لیکن وہ اسے پورا کرنے سے پہلے فوت ہوگئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اسے پورا کرنے کی اجازت فرمائی۔

اب منت والدہ کی تھی، مال بھی انہی کا چھوڑا ہوا تھا والدہ کی جانب سے کنواں کھدوانے، پانی کی سبیل واحاطہ وقف کرنے یا غلام آزاد کرنے کا کام حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انجام دیا، اس طرح یہ عمل نیابت کہلاتا ہے اور نیابت کا ایصال ثواب سے کوئی تعلق نہیں۔

اس کے علاوہ تقریباً تمام روایات میں ایک لفظ "عَنْهَا" کی موجودگی بھی یہ ظاہر کرتی ہے کہ نیابت میں کیا جانے والا عمل اپنی طرف سے ادا کر کے اس کا اجر مرنے والے کو ایصال نہیں کیا جا رہا، بلکہ اس کو مرنے والے کا زیرِ التوا (pending) کام سمجھ کر اسی کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے جیسے کوئی قرض ادا کرنا۔(لفظ عَن کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے)

اس کے علاوہ نذر کی تصریح کے بغیر بھی کچھ روایات موجود ہیں۔

(بخاری:2760،1388،موطا امام مالک:1466)

ان روایات میں اسی وقعہ کے پس منظر میں نذر کی تصریح کے بغیر میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا سوال کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پورا کرنے کی اجازت فرمائی۔

ان روایات کے باقی طرق دیکھنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کی ہی

روایت ہے جسے ہم نے ابھی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ نے غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی جسے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کی وفات کے بعد پورا کیا۔

اسی طرح نسائی اور مسلم (مسلم: 2326، نسائی: 3682) میں موجود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں (فهل يكفر عنه ان تصدق) "اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا یہ اس کی طرف سے کفارہ ہو جائے گا؟" یہ الفاظ ثابت کر رہے ہیں کہ کسی کفارے کا معاملہ تھا جو مرنے والے کے ذمے تھا۔ اور ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ نذر و منت، وصیت یا کفارہ وغیرہ وہ اعمال ہیں جو مرنے والے کی نیابت میں کئے جاتے ہیں یعنی مرنے والے کے ہی نامکمل امور ہوتے ہیں جن میں مرنے والے کی کسی نہ کسی طرح شمولیت ہوتی ہے لہٰذا ان کا ایصال ثواب سے کوئی تعلق نہیں۔

مالی عبادات میں فقہاء کا مسلک:

بالفرض اگر ان روایات کو نذر، کفارے یا وصیت کی تاویل کے بغیر قبول کیا جائے تو پھر بھی ان روایات سے ایصال ثواب ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تمام فقہاء مالی عبادات میں نیابت کو اس شرط پر قبول کرتے ہیں کہ مرنے والے شخص کی جانب سے اختیار دیا گیا ہو یعنی وصیت کی گئی ہو اور مال بھی اسی کا لگایا جائے اور ضرورت اس کی متقاضی ہو۔ (الدر المختار مع رد المختار، المدونة الكبرىٰ، الام، المغنی)....... جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں جو میت کے قُل یا دسویں پر تقسیم کیا جاتا ہے نہ تو مرنے والے نے کسی صدقے و خیرات کی منت یا وصیت کی ہوتی ہے اور نہ ہی ضرورت اس کی متقاضی ہوتی ہے کیونکہ وہاں پر ضرورتمندوں کی بجائے صرف رشتہ دار اور احباب صرف رسماً آتے ہیں۔ اس لیے ان روایات سے تو نیابت بھی ثابت نہیں ہوتی کجا یہ کہ ان سے ایصال ثواب ثابت کیا جائے۔

بدنی عبادات:

میت کی طرف سے روزہ رکھنے کی روایات

بدنی عبادات میں ہمیں "نذر اور رمضان کے روزوں" سے متعلق روایات ملتی ہیں جن کے مطابق ورثاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے فوت شدگان کے لئے ان روزوں سے متعلق سوال کیا تو روایات سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان روزوں کو بھی قرض پر قیاس فرماتے ہوئے قضاء کی اجازت فرمائی، اور یہ طے ہے کہ میت کے قرض کی ادائیگی دراصل میت کا ہی عمل متصور ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی دو طرح کی روایات ملتی ہیں پہلی وہ جو نذر کے روزوں سے متعلق ہیں اور دوسری وہ ہیں جو نذر کی بجائے رمضان کے روزوں سے متعلق ہیں۔ پہلے ہم نذر کے روزوں اور پھر رمضان کے روزوں سے متعلق روایات کو مختصراً لکھتے ہیں اور پھر فقہاء اور صحابہ کا فتویٰ پیش کریں گے۔

نذر کے روزوں والی روایات: مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: میری ماں فوت ہوگئی، اور اس کے ذمہ نذر کا روزہ تھا (أَفَأَصُومُ عَنْهَا؟) کیا میں اس کی جانب سے روزہ رکھ سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذرا سوچ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتی؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (فَصُومِي عَنْ أُمِّكِ) تو تم اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھو" (مسلم: 2696)

ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت سمندری سفر میں گئی تو اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے اسے نجات دے دی تو وہ ایک مہینہ روزے رکھے گی۔ چنانچہ اللہ نے اسے نجات دے دی' مگر اس نے روزے نہ رکھے حتیٰ کہ مرگئی۔ پس اس کی بیٹی یا بہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی

تو آپ نے اسے حکم دیا کہ (تَصُومَ عَنْهَا) وہ اس کی طرف سے روزے رکھ لے"(ابوداود:3308)

رمضان کے روزوں والی روایات:

(مسلم:2693، 2697، ابوداود:3310) ان روایات میں میت کے ورثاء کی طرف سے رسول اللہ

▪ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رمضان کے روزوں کی قضا سے متعلق سوال کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزوں کو قرض پر قیاس فرماتے ہوئے"ورثاء کو میت کی طرف سے روزے رکھنے کی اجازت فرمائی"

(مسلم:2692، بخاری:1952) ان روایات میں رسول اللہ نے فرمایا کہ"جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کی طرف اس کا ولی روزے رکھے"

(ابن ماجہ:1757، ابوداود:2401، 2400، ترمذی:718) ان روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ"جس شخص کے ذمے ماہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن (کے روزے) کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا جائے اگر اس نے نذر مانی تھی تو اس کا ولی قضا دے"

بدنی عبادات کی نیابت کے بارے صحابہ اور فقہاء کا فتویٰ:

ان روایات کا متن شدید مضطرب ہے کسی روایت میں ولی کی طرف سے روزہ رکھنے کی بات ہے اور کسی روایت میں مسکین کو کھانا کھلانے کی بات بیان ہوئی ہے۔ دوسرا یہ کہ صحابہ وفقہاء کا فتویٰ بھی ان روایات کے خلاف ہے۔ اصولی طور پر تمام فقہاء اس بات پہ متفق ہیں کہ بدنی عبادات میں نیابت جائز نہیں۔ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز، روزہ، اور اعتکاف نہیں کر سکتا۔

فقہ شافعی اور حنبلی کے مطابق میت کے روزے اس کا ولی رکھ سکتا ہے (المجموع شرح لمهذب، المغنی) جبکہ فقہ حنفی اور مالکی کے مطابق صرف روزے کے بدلے اگر شرعی عذر یا موت آجائے تو فدیہ دیا جا سکتا ہے (بدائع الصنائع، ردالمختار، المدونة، شرح زرقانی)

فقہ شافعی اور حنبلی میں میت کی طرف سے ولی کے روزے رکھنے کی بنیاد روایات ہیں۔ اس کی وجہ

یہ ہے کہ فقہ شافعی اور حنبلی روایات کو ظاہر کے لحاظ سے لیتے ہیں جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے کہ "جو شخص فوت ہو اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے" (مسلم :2692، بخاری :1952)

جبکہ احناف اور مالکیہ ان روایات کو قبول نہیں کرتے ، اول اس لئے کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اہلِ مدینہ کے ہاں عمل یہ تھا کہ "کسی شخص کی طرف سے کوئی روزہ نہیں رکھتا، بلکہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جاتا ہے" (موطا امام مالک :627,628) **دوم:** اس لئے کہ بدنی عبادات سے مقصود اپنی جان کو خدا کی خوشنودی کے لئے کھپانا ہے جس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور یہ چیز نیابت سے حاصل نہیں ہوسکتی اس لئے مُردے کی طرف سے نماز اور روزہ والی روایات قابل رد ہیں۔ **سوم:** اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو ان روایات کے راوی ہیں ان کا فتویٰ یہ ہے کہ "کوئی شخص کسی دوسرے کی جانب سے روزے نہ رکھے" (موطا امام مالک : 619، السنن الکبریٰ بیہقی : 7963) امام عینیؒ (حنفی) عمدۃ القاری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

> "احناف کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی صحابی ایک حدیث بیان کرے اور پھر اس کے خلاف فتویٰ دے تو یہ اس کے منسوخ ہونے کی دلیل ہوتی ہے کیونکہ کوئی صحابی فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت نہیں کرسکتا، اور نہ فرمانِ رسولؐ کے مقابل میں اپنا اجتہاد پیش کرسکتا ہے" (عمدۃ القاری: شرح بخاری)

قاضی عیاضؒ (مالکی) نے بھی شرح مسلم میں، نماز اور روزہ کے بارے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ دونوں کی روایات کو مضطرب قرار دیا ہے۔ مختصراً یہ کہ:

> "امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ ہے کہ میت کی طرف سے قطعاً روزہ نہ رکھا جائے اور نہ زندہ کی طرف سے، بلکہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے وہ بھی اس صورت میں کہ مرنے والا اگر وصیت کر کے مرا ہو تو پھر کھلانا جائز ہے ..... امام ابوحنیفہؒ ایک شرط مزید لگاتے ہیں کہ کھانا مرنے والے کے مال سے ہی کھلایا جائے" (شرح صحیح مسلم، موطا امام مالک :619، المدونۃ الکبریٰ، الہدایہ، الفتاویٰ الہندیہ)

مرکب عبادت:

میت کی طرف سے حج کی روایات

روزوں کی طرح میت کی جانب سے حج کی اجازت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہوئی ہے۔ پہلے ہم ان روایات کو مختصراً تحریر کرتے ہیں اور پھر حج کے بارے فقہاء کا مسلک بیان کریں گے۔
بخاری اور نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی لیکن اب ان کا انتقال ہو چکا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتے؟ انہوں نے عرض کیا ضرور ادا کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ کا بھی قرض ادا کرو کیونکہ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ کہ اس کا قرض ادا کیا جائے" (بخاری:6699،نسائی:2633،مسند احمد:3224)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک اور روایت کے الفاظ اسطرح ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

"میری والدہ نے حج کی منت مانی تھی لیکن وہ حج نہ کر سکیں اور ان کا انتقال ہو گیا (أَفَأَحُجُّ عَنْهَا ؟) تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! (حُجِّي عَنْهَا) تم ان کی طرف سے حج کرو۔ کیا تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم اسے ادا نہ کرتیں؟ اللہ تعالیٰ کا قرض تو اس سے زیادہ مستحق ہے کہ اسے پورا کیا جائے" (بخاری: 1852)

اس سلسلے میں ایک اور روایت ابن ابی شیبہ میں پیدل کعبہ کی زیارت کی نذر سے متعلق ہے۔ (ابن ابی شیبہ: 36122) جبکہ (مسلم: 2697،نسائی: 2634،ترمذی: 929) ان روایات میں ایک عورت نے رسول اللہ

▪ ﷺ سے سوال کیا کہ اس کی ماں (نذر کی تصریح کے بغیر) حج کیے بغیر فوت ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ نے حج کو قرض پر قیاس فرماتے ہوئے اس عورت سے فرمایا وہ اپنی ماں کی طرف سے حج کرے۔

تبصرہ:

نذر کی تصریح: حج سے متعلق بیشتر روایات میں نذر کی تصریح موجود ہے۔نذر کے بارے ہم یہ واضح کرآئے ہیں کہ یہ مرنے والے کے پختہ ارادے کا بیان ہے۔اس لئے نذر کی تکمیل دراصل مرنے والے کے اپنے ارادے کی ہی تکمیل باالفاظ دیگر یہ مرنے والے کا ہی عمل ہوتا ہے جسے اس کے ورثاء اسی کے مال سے پورا کرتے ہیں۔

حرف عَن: دوسری بات یہ کہ نذر کی تمام روایات بشمول حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں آپ کو بار بار حرف "عَن" نظر آئے گا، جو نیابت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جس طرح ان روایات میں حرف "عَن" کو میت کے ساتھ استعمال کیا گیا اسی طرح دوسری روایات میں حرف "عَن" کو زندہ کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے حالانکہ اگر دوسرے کو ثواب پہنچانے یا ایصال ثواب کی غرض سے کوئی عمل کیا جاتا تو اس کے لئے حرف عَن کی بجائے حرف "ل" لایا جاتا جس کا تذکرہ "مالی عبادات" میں بھی ہو چکا ہے، قرآن میں ہے:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ﴾

"ان کے لئے ان کی کمائی اور تمہارے لئے تمہاری کمائی" (البقرہ ۲: ۱۴۱)

لیکن کوئی ایک حدیث پیش نہیں کی جاسکتی جس میں زندہ نے مرنے والے کے لئے یہ سوال کیا ہو (افا تصدق لها) "کیا میں اس کے لئے صدقہ کرسکتا ہوں؟"........(افا حج لها) "کیا میں اس کے لئے حج کرسکتا ہوں؟"........افا صوم له "کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھوں"........افا تصدق له "کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں؟" اور نبی رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق فرمائی ہو۔ بلکہ سب

روایات میں اسطرح کہ الفاظ ہیں۔افا حج عنه" کیا میں اس کی جانب سے حج کروں؟" افا تصدق عنه " کیا میں اس کی جانب سے صدقہ کروں؟" افاصوم عنها؟" کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھوں؟" یعنی سب روایات میں اسطرح کے جو سوالات و جوابات ہو رہے ہیں ان کا تعلق نیابت سے ہے، ایصال ثواب کا ان سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ یہ تمام غلط فہمی محاورات کے نہ سمجھنے کے باعث ہو رہی ہے۔اسی وجہ سے ہمارے علماء ایصال ثواب کے ثبوت میں وہ روایات پیش کرتے ہیں جن کا تعلق نیابت سے ہے اور ان میں وصیت، نذر اور قضاء وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔

زندہ لوگوں کی طرف سے حج:

تیسری بات یہ کہ متعدد احادیث میں زندہ کی جانب سے حج کی اجازت طلب کی جارہی ہے اور وہ بھی حرف "عن " کے ذریعے۔اس میں وہ روایات قابل توجہ ہیں جن میں اس زندہ شخص کی طرف سے حج کی اجازت مانگی گئی جو معذوری کے سبب سے سفر اور ارکان حج ادا کرنے کی مشقت نہیں اٹھا سکتا۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قبیلہ خشعم کی ایک عورت کا سوال نقل کرتے ہیں۔

> " عورت نے کہا کہ اللہ کے فریضہ (حج) نے میرے بوڑھے والد کو اس حالت میں پالیا ہے کہ وہ سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتے (أَفَأَحُجُّ عَنْهُ ؟) تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں ؟، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے"(بخاری:1855، مسلم:3251)

یہی سوال بنی عامر کے ایک آدمی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا۔ابوداؤد میں ہے۔

> "ابو زرین عقیلی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میرے والد بہت بوڑھے ہیں نہ حج کرسکتے ہیں، نہ عمرہ اور نہ قربانی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (احْجُجْ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ) اپنے والد کی طرف سے حج بھی کرو اور عمرہ بھی"(ابوداؤد:1810، ابن ماجہ:2906، ترمذی:930،نسائی:2622)

اس مضمون کی متعدد روایات کتب احادیث جیسے کہ مسند احمد، ابن حبان، بیہقی، سنن الکبریٰ وغیرہ میں

منقول ہیں جن میں کئی لوگوں کا اپنے زندہ اقارب کی طرف سے حج، عمرہ اور قربانی جیسے افعال کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔ اب کیا زندوں کے لئے بھی ایصال ثواب ہوتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو اولاً زندوں کے لئے قرآن خوانی کریں پھر مُردوں کے لئے۔ بہرحال زندہ آدمی سے متعلق یہ روایات ایصال ثواب سے متعلق نہیں بلکہ اس موضوع سے متعلق ہیں کہ دین کے کن فرائض میں نیابت ہوسکتی ہے۔

حج کی قرض سے تشبیہ:

چوتھی بات یہ کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ قرض مرنے والے کا ہی عمل تصور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ترکے کی تقسیم میں سب سے پہلے قرض کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔ جب اس قرض کی ادائیگی کو ایصال ثواب کے ضمن میں پیش نہیں کیا جاتا اور اسے مرنے والے کا ہی عمل تصور کیا جاتا ہے، تو روایات میں جن اعمال کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرض سے تشبیہ فرمائی انہیں بھی مرنے والے کے اعمال سمجھنا چاہیے۔

حج کی نیابت کے بارے فقہاء کا مسلک:

وہ عبادتیں جن میں مالی اور بدنی دونوں پہلو جمع ہیں جیسے حج، یہ مسئلہ بھی آئمہ میں مختلف فیہ ہے مالکیہ کے علاوہ باقی تینوں فقہاء "ضرورت اور معذوری" کی صورت میں نیابت کے قائل ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک حج فرض ہو یا نفل، اس میں زندہ آدمی کی نیابت جائز نہیں۔ خواہ یہ نیابت اجرت لے کر یا اجرت کے بغیر کی گئی ہو۔ ان کا میلان یہ ہے کہ حج اصلاً بدنی عبادت ہے، لہٰذا ہر شخص خود ادا کرے۔ المدونۃ الکبریٰ جو امام مالک کی فقہی آراء کا معتبر مجموعہ ہے اس میں امام مالکؒ واضح فرماتے ہیں کہ:

"لا یحج أحد عن أحد، ولا یصوم أحد عن أحد)
کوئی شخص کسی کی طرف سے حج یا روزہ نہ کرے" (المدونة الكبرى، باب الحج عن الميت)

امام مالک کا یہ قول زندہ و مردہ دونوں کو عام ہے یعنی امام مالک کسی کی جانب سے حج کرنے کو جائز نہیں

سمجھتے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، خواہ مرنے والے نے نصیحت کی ہو تب بھی جائز نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک حج نیابت سے مشروط ہے اور صرف اس زندہ عاجز کی جانب سے حج جائز ہے جس کے ہاتھ پیر بیکار ہوں یا بڑھاپا وغیرہ۔ امام نووی (شافعیؒ) شارح مسلم لکھتے ہیں۔

"ہمارا (شافعیہ) اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ عاجز کی جانب سے حج جائز ہے یعنی موت، ہاتھ پیر بیکار ہونے اور بڑھاپے وغیرہ کے باعث" (شرح صحیح مسلم)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک نیابت میں مزید دو شرائط ہیں کہ جب تک مرنے والا وصیت نہ کرے، اور اس پر مرنے والے کا مال نہ لگایا جائے تو یہ نیابت بھی بے کار ہوگی۔ قاضی عیاض (حنفی) فرماتے ہیں۔

"امام ابراہیم نخعی (استاذ الاستاذ ابی حنیفہ) اور بعض اسلاف سے مروی ہے کہ کسی کی جانب سے بھی حج درست نہیں خواہ وہ زندہ ہو یا مُردہ تاہم امام ابوحنیفہؒ اسے نیابت سے تعبیر کرتے ہیں اس شرط کے ساتھ کہ جب تک مرنے والا وصیت نہ کرے، اور اس پر مرنے والے کا مال نہ لگایا جائے تو یہ نیابت بھی بے کار ہوگی" (عمدۃ القاری: شرح صحیح بخاری)

اگر چہ شافعی، حنبلی اور حنفی تینوں فقہاء قدرے اختلاف اور کچھ شرائط کے تحت حج کو نیابت میں قبول کرتے ہیں اور امام مالکؒ حج کو نیابت میں بھی قبول نہیں کرتے، لیکن اگر چاروں فقہاء کے نیابت میں اصولوں کو سامنے رکھا جائے تو امام مالکؒ کا حج کی نیابت کے بارے نقطہ نظر اقرب بالحق معلوم ہوتا ہے کیونکہ چاروں فقہاء خالص مالی عبادات میں نیابت کے قائل اور خالص بدنی عبادات میں نیابت کے قبول نہ ہونے پر متفق ہیں اس لئے کہ بدنی عبادات سے جو تقویٰ حاصل ہوتا ہے وہ تقویٰ نیابت سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

اب اگر تو حج خالص مالی عبادت ہوتا پھر تو اس کی نیابت قبول کرنے میں کوئی قباحت نہ تھی، لیکن ہم جانتے ہیں کہ حج مالی عبادت کے ساتھ بدنی عبادت بھی ہے۔ حج سے مقصود وطن اور روزمرہ کے

معمولات کے ترک سے نفس کی تہذیب وتادیب ہے۔حاجی احرام پہنتا ہے، تاکہ موت کے بعد کی زندگی، آخرت اور قبر کی یاد تازہ ہو۔ وہ حرم کے جوار میں اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے، وہ رمی، جمار اور صفاومروہ کے درمیان سعی کرکے اپنے بندہ بے دام ہونے کا اظہار کرتا ہے۔اس داخلی کیفیت کی حقیقت کسی طرح بھی متعین نہیں کی جاسکتی ۔ یہ مصلحتیں اور مقاصد باالفاظِ دیگر ان مناسک سے حاصل ہونے والا تقویٰ اسی کو حاصل ہوسکتا ہے جو خود حج ادا کرتا ہے کسی دوسرے کے لئے اس تقویٰ کا حصول ناممکن ہے اس لئے امام مالکؒ کا مسلک اس بارے میں راجع اور موافق قرآن ہے کہ جیسے نماز اور روزہ بدنی عبادتیں ہونے کی وجہ سے نیابت قبول نہیں کرتیں بالکل اسی طرح حج بھی بدنی عبادت ہونے کی وجہ سے نیابت میں قبول نہ ہونا چاہیئے۔

لیکن بالفرض اگر شافعی، حنبلی اور حنفی فقہاء کی رائے کو بھی دیکھا جائے تو ان آئمہ کے نزدیک بھی حج کا تعلق نیابت و وکالت سے ہے کسی نے اس سے ایصال ثواب ثابت نہیں کیا۔مزید یہ کہ نیابت بھی مشروط ہے بلا عذر یہ نیابت بھی قطعاً جائز نہیں، اور عذر بھی وہ جس کا رفع ہونا ممکن نہ ہو۔

چوتھی دلیل:

رسول اللہ ﷺ کی حضرت علیؓ کو قربانی کی وصیت

اس موضوع پر ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی جاتی ہے۔کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر سال دو مینڈھے قربان کرتے تھے۔جب ان سے اس سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وصیت کی ہے (امرنی، اوصانی) کہ میں ان کی جانب سے قربانی کروں، لہٰذا میں آپ ﷺ کی جانب سے قربانی کرتا ہوں" (ابوداود:2790،ترمذی:1495،مستدرک حاکم:556)

پہلی بات: یہ کہ جب ہم اس روایت کی سند کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کے اکثر راوی خالص شیعہ ہیں۔امام ترمذیؒ اسی روایت میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اس حدیث کو نقل ہی نہیں کیا۔

دوسری بات: بالفرض اگر اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسکے الفاظ (امرنی، اوصانی) "مجھ کو حکم دیا، مجھے وصیت کی" بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ وصیت تمام مسلمانوں کو عام نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا یہ روایت ایصال ثواب کی دلیل نہیں بن سکتی۔

تیسری بات: یہ امر بھی غور طلب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ۳۵ھ تک یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ۲۵ پچیس سال تک مدینہ میں رہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف سے قربانی کرتے رہنے کی وصیت فرمائی تھی تو یقینا ۱۱ھ کے ذوالحجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وصیت کے مطابق قربانی کی ہوگی۔اور پھر پچیس برس سے زیادہ آپ ہر سال مدینے میں قربانی دیتے رہے ہوں گے۔مگر مدینے میں کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں پوچھا کہ یہ ایک فاضل مینڈھا آپ کس کی

طرف سے قربانی دے رہے ہیں...... اور کسی شخص کو بھی وہاں اس کا علم نہ ہوا۔ ورنہ مدینہ کا رہنے والا کوئی شخص تو اس حدیث کو روایت کرتا ہے۔ تقریباً ۳۶ھ میں جب آپ کوفہ آئے تو وہاں بھی صرف حنش کو بلکہ ہر دور میں صرف ایک ایک آدمی کو معلوم رہا۔

چوتھی بات: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کی کوئی وصیت فرماتے تب بھی صورت حال کا تقاضا تو یہ تھا آپؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے اپنے دامادوں میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرماتے یا اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو وصیت کرتے کیونکہ ان حضرات کے لئے اس وصیت پر عمل کرنا کوئی دشوار نہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں ہی نہایت فقر و فاقہ میں گزری تھی اور ان کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ ان پر یہ مزید مالی بار ڈالا جا سکے۔

پانچویں بات: بالفرض اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی تو جو کام وصیت کی وجہ سے کیا جائے اسے ادائے وصیت کہیں گے نہ کہ ایصال ثواب۔ اور پھر مخصوصات نبویہؐ سے ہوئی نہ کہ سنت نبویہؐ سے۔ اور اگر یہ وصیت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی تو اس پر دوسروں کے لئے کیسے عمل جائز ہوگا۔ اور اگر یہ حکم عام تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی اشاعت میں کیوں کوتاہی اختیار کی؟....... کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے کبھی قربانی نہیں کی، اور نہ ہی کبھی حضرت حسنین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے قربانی کی، نہ ہی خلفائے راشدینؓ اور دوسرے صحابہؓ نے اس پر عمل کیا۔ جب کسی بھی صحابی کا اس پر عمل نہیں تو پھر یہی ثابت ہوا کہ اس وصیت کا تعلق مخصوصات نبویہؐ سے ہے نہ کی سنت نبویہؐ سے، لہٰذا اس روایت کو ایصال ثواب کی دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

❁❁❁❁❁❁

پانچویں دلیل:

امت کی جانب سے رسول اللہؐ کی قربانی

ایصال ثواب کے ضمن میں وہ روایات بھی پیش کی جاتی ہیں جن میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے قربانی فرمائی۔ ان روایات کو مُردوں کی جانب سے قربانی کے لئے پیش کیا جاتا ہے جبکہ ان روایات میں کسی خاص فرد یا مُردوں کی جانب سے قربانی کا کوئی ذکر نہیں۔

آل محمدؐ والی روایات:

ہم پہلے ان روایات کو دیکھتے ہیں جن میں محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے الفاظ آئے ہیں۔ اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس سے علماء کرام نے کیا استدلال فرمایا۔ اس سلسلے میں ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس روایت کے مطابق آپ فرماتی ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ سینگوں والا ایک مینڈھا لایا جائے جس کے پیر سیاہ ہوں، آنکھوں کے چاروں طرف بھی سیاہی ہو اور پیٹ بھی سیاہ ہو۔ ایسا مینڈھا لایا گیا۔ آپؐ نے اسے قربان کیا اور فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا چھری لا اور اسے پتھر پر گھس لے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھری لی مینڈھا پکڑا اور اسے پہلو کے بل لٹایا اور فرمایا۔ بسم اللہ، اے اللہ! محمدؐ، آل محمدؐ اور امت کی جانب سے قبول فرما پھر اسے قربان کیا" (ابوداود: 2792، مسلم: 5091)

دوسری حدیث کے مطابق حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربانی کے دن دو موٹے تازے خوبصورت سینگوں والے مینڈھے منگواتے، پھر جب خطبہ دیتے اور نماز عید ادا کر لیتے تو ایک مینڈھا خود اپنے ہاتھ سے بڑی چھری کے ساتھ ذبح کرتے پھر کہتے: یا اللہ یہ میرے ہر اس امتی کی طرف سے ہے جو تیرے متعلق توحید کی گواہی اور میرے متعلق

احکامِ الٰہی پہنچانے کی گواہی دے۔ پھر دوسرا مینڈھا لایا جاتا، آپ ﷺ اس کو بھی ذبح کرتے پھر کہتے: اے اللہ! یہ محمد ؐ اور آل محمد ؐ کی طرف سے ہے" (مستدرک حاکم:3478)

تبصرہ:

اول تو ان دونوں روایات میں مُردوں کا ذکر نہیں، دوسرا جیسے اس قربانی میں حضور ﷺ خود شامل تھے ویسے ازواج مطہرات اور امت محمدیہ بھی شریک تھی، یوں ثابت ہوا کہ یہ قربانی زندوں کی جانب سے تھی نہ کہ مردوں کی جانب سے۔ آئمہ کرامؒ نے آلِ محمد ﷺ کی طرف سے قربانی سے مراد "ایصال ثواب" کی بجائے یہ ثابت کیا ہے کہ پورے گھر کی جانب سے ایک قربانی جائز ہے اور "سنت کفایہ" ہے۔ اگر گھر میں سے ایک شخص بھی ادا کرے گا تو کافی ہوگی۔ اور یہی بات شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن (دیوبندی) نے ابوداود کے حاشیہ میں بھی لکھی ہے۔

امت محمدیہ ؐ والی روایات:

اب وہ روایات دیکھتے ہیں جن میں محمد ﷺ کے ساتھ "امت" کے الفاظ آئے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن دو سینگوں دار مینڈھے جو خصی تھے ذبح کئے اور جب انہیں قبلہ رخ کیا تو یہ دعا پڑھی (انی وجھت ... مسلمین) اے اللہ یہ آپ کی ہی جانب سے ہے اور آپ کے لئے ہے محمد ﷺ اور اس کی امت کی طرف سے، بسم اللہ واللہ اکبر پھر آپ نے ذبح کیا"

(احمد:15086، ابوداود:2795,2810، ابن ماجہ:3121، سنن دارمی:1952، ابن اسحاق:362)

اسی طرح حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے، ایک کو ذبح کرتے ہوئے فرماتے: اے اللہ! یہ محمد ﷺ اور آل محمد کی طرف سے ہے، اور دوسرے کو ذبح کرتے ہوئے فرماتے: یا اللہ! یہ میری امت کی جانب سے ہے، جو تیری توحید کو مانتی ہے۔ اور میرے ذمے تو صرف تیرا پیغام پہنچا دینا ہے" (مستدرک حاکم:6521)

تبصرہ:

ایصال ثواب کے قائلین کے نزدیک یہ قربانی ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے کی گئی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں انتقال فرما چکے تھے۔ جبکہ ان دونوں روایات میں اس بات کا شائبہ بھی نہیں ملتا کہ یہ قربانی مُردوں کی جانب سے کی گئی۔ بالفرض اگر ان روایات سے مُردوں کے لئے ایصال ثواب کا استدلال کیا جائے تو پھر زندوں کے لئے بھی ایصال ثواب ثابت ہو جائے گا کیونکہ اس قربانی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی شامل تھے اور امت کی جانب سے قربانی کا ذکر بھی، جو زندہ و مُردہ کو عام ہو گا جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ تاہم ترمذی میں موجود حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی امت کے تمام افراد کی جانب سے نہیں بلکہ ان زندہ افراد کے لئے کی تھی جو قربانی نہ کرسکیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

> ”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قربانی کے دن عیدگاہ میں حاضر ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پورا فرمالیا تو ممبر سے نیچے اترے، آپ کے سامنے ایک مینڈھا پیش کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ واللہ اکبر، (**هٰذا عني وعمن لم يضح من أمتي**) <u>یہ میری اور میری امت کے ان لوگوں کی جانب سے جو قربانی نہ کرسکیں</u>“ (ترمذی:1521)

قربانی دراصل فدیہ ہے انسانی جان کا حیوانی جان کے بدلے، تاکہ انسان دنیاوی مشکلات سے بچ سکے۔ تو اس سے مراد امت کے وہی افراد ہو سکتے ہیں جو زندہ و موجود ہوں۔ اور اگر ان کے پاس مال ہوتا تو وہ ضرور قربانی کرتے مگر وہ ناداری کی وجہ سے نہیں کر سکے۔ اسلئے ان کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کر کے فدیہ کا انتظام کر دیا تاکہ وہ بھی دنیاوی مشکلات سے اسی طرح بچ جائیں جس طرح قربانی کرنے والے عام مسلمان محفوظ رہتے ہیں۔ مردے نہ قربانی کر سکتے ہیں نہ ان کا فدیہ دیا جا سکتا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مُردوں کی طرف سے کبھی قربانی نہیں دی۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کسی مردے کی طرف سے قربانی کی اور نہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں کسی نے کی۔ اگر یہ استدلال

صحیح ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں تو کم از کم خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سب مسلمانوں کی طرف نہیں تو اپنے عزیز مسلمان مُردوں کی طرف سے ہی قربانی کرتے۔

دوسری بات یہ کہ فدیہ و ثواب کا فائدہ قربانی کرنے والے کے تقویٰ پر موقوف ہے۔ اگر کوئی کسی کی طرف سے قربانی کر دیتا ہے تو اس کی جان کا فدیہ تو ادا ہو جاتا ہے مگر ثواب اسی کو ملے گا جس نے قربانی کی ہے اور وہ جانور جس کی ملک تھا۔ کیونکہ اسی کے تقویٰ کی بدولت قربانی قبول ہوگی۔ جبکہ مرنے کے بعد اس کی جان کا فدیہ کیا ہوگا؟ اور ثواب اس کو مل نہیں سکتا کیونکہ ثواب تقویٰ پر موقوف ہے۔ جب تک تقویٰ منتقل نہ ہو ثواب منتقل نہیں ہو سکتا اور تقویٰ منتقل ہونے والی چیز نہیں۔

نابالغ بچوں کی طرف سے قربانی یا صدقہ فطر اس لئے مسنون ہے کہ یہ چیزیں جان کا فدیہ ہو جاتی ہیں مگر مُردوں کو کبھی اس میں شامل نہیں کیا جاتا۔ اگر اس سے مُردوں کو بھی فائدہ پہنچتا تو یقیناً دوسروں کی طرف سے بھی قربانی و صدقہ فطر کا رواج از روئے سنت ہوتا۔ کسی دوسری عبادت کا مقصد دنیا میں رد بلا و فدیہ جان نہیں ہے بجز قربانی اور صدقہ فطر کے، اسی لئے نماز، روزہ یا حج وغیرہ دوسرے کی طرف سے جائز نہیں۔

قائلین ایصال ثواب کے تمام دلائل کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم چند اشکالات کا جائزہ لیں گے اور پھر یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن ہمیں "ایصال ثواب" یا ایک انسان کے عمل کا اجر دوسرے کو دینے کے بارے میں کیا راہنمائی فرماتا ہے کیا قرآن اس بارے خاموش ہے؟ .... یا اس کی اجازت دیتا ہے؟ .... یا اس کی تردید کرتا ہے؟

اشکالات اوران کی توضیح

اشکال نمبر 1: یہ بات قرآن واحادیث سے ثابت ہے کہ دعا سے مرنے والے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور دعا ایک عبادت ہے جب عبادت کی ایک قسم سے مرنے والوں کو فائدہ ہوسکتا ہے تو پھر عبادت کی دوسری اقسام جیسے کہ ذکر واذکار، قرآن خوانی اور صدقات جیسی عبادات سے بھی یقیناً فائدہ ہوگا۔

جواب: پہلی بات یہ کہ اگر دعا اور قرآن خوانی ایک شے ہے تو پھر ہمیں چاہیے کہ اولاً زندوں کے لئے" قرآن خوانی" کا اہتمام کریں اور پھر اسی طرح "فاتحہ خوانی" بھی اولاً اپنے لئے کریں اور مُردوں کو ایصال بعد میں کریں۔ ظاہر ہے ایسا کوئی نہیں کرے گا تو اس سے ثابت ہوا کہ دعا اور شے ہے اور ایصال ثواب اور شے ہے۔ دعا بارگاہِ الٰہی میں التجا ہے اور ایصال ثواب نام ہے اپنے عملِ خیر کا اجر، دوسروں کے نام منتقل کرنے کا۔ اس لئے دعا کو ایصال ثواب کی دلیل کے طور پر پیش کرنا درست نہیں کیونکہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

رہی بات دعا سے فائدہ پہنچنے کی تو دعا چونکہ اللہ تعالیٰ سے ایک التجا ہے اس لئے جب یہ دعا کی جاتی ہے کہ اے اللہ کسی مرنے والے یا زندہ کی مغفرت فرما، یا کسی بیمار کو شفا عطا فرما، یا کسی کو ترقی وخوشحالی عطا فرما تو ان دعاؤں سے مرنے والے کو صرف مغفرت کی صورت میں یا زندوں کو صحت وترقی کی صورت میں ہی فائدہ ہی ملتا ہے۔ لیکن ان دعاوں سے حاصل ہونے والا اجر وثواب صرف دعا کرنے والے کو ہی ملتا ہے۔ کیونکہ دعائے مغفرت اور شئے ہے اور دعا سے حاصل ہونے والی نیکیوں کا ارسال اور شئے ہے۔

آپ نے عبادت کی ایک قسم کا دوسری قسم پر غلط قیاس کیا ہے اسے فقہ کی زبان میں "قیاس مع الفارق" کہتے

ہیں۔یعنی ایسا قیاس جس کا آپس میں کوئی ربط نہ ہو۔یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ چونکہ فلاں شخص کا بڑا بیٹا بہت نیک ہے اس لئے اس کی باقی اولاد بھی نیک ہی ہوگی۔لیکن یہ ایک غلط قیاس ہے سب کو معلوم ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے سب بیٹے حضرت یوسفؑ کی طرح صالح نہ تھے۔

دراصل عبادت کی مختلف اقسام ہیں جیسے کہ نماز، روزہ، حج،قربانی،زکوۃ وصدقات، ذکرواذکار،قرآن خوانی اور دعا۔اب ان سب میں لفظ"عبادت" کے لحاظ سے تو اشتراکیت موجود ہےلیکن فرضیت اور ادائیگی کے لحاظ سے سب کی اپنی اپنی شرائط اوراپنے اوقات ہیں،اوران سب کوایک لائن میں رکھ کر اایک دوسرے کا متبادل نہیں بنایا جاسکتا۔

یعنی جس پر نماز فرض ہو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ قرآن خوانی بھی ایک عبادت ہے لہٰذا میں ایک پارہ پڑھ لیتا ہوں، یا جس پر زکواۃ فرض ہو وہ یہ کہے کہ چونکہ دعا بھی ایک عبادت ہے اس لئے میں دعا کر لوں گا تو میری زکواۃ کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی ،اب ظاہر ہے ایسا ممکن نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی قائل ہے یعنی عبادت کی جو قسم جن شرائط کے ساتھ فرض ہے اسے اسی طریقے اوراسی محل میں ادا کرنا لازم ہے۔اسی طرح مرنے والوں کے لئے صرف دعائے مغفرت کا حکم ہے اس لئے صرف دعا ہی کی جائے گی نا کہ قرآنی خوانی ۔کیونکہ قرآن خوانی کا مرنے والوں کے لئے شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اشکال نمبر 2: بھلے قرآن واحادیث میں ایصال ثواب کی دلیل موجود نہ ہولیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اسلئے اگر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ"اے اللہ میرے اعمال صالحہ کا اجر فلاں کو ارسال فرمادے" تو اللہ کے لئے یہ کام مشکل نہیں۔

جواب: اس پر عرض ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ صرف مُردوں کو ہی اعمال کا اجر ایصال کرنے پر قادر ہے یا زندوں کے لئے بھی قادر ہے؟.......اگر اللہ تعالیٰ اعمال کا اجر زندوں کو بھیجنے پر بھی قادر ہےتو پھر مُردوں کیلئے پڑھی

جانے والی قرآن خوانی کا اجر زندوں کو ایصال کیوں نہیں کیا جاتا؟.....اور چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو پھر خود کھانا کھا کر اللہ سے دعا کیوں نہیں کی جاتی، کہ اے اللہ! اس کھانے سے حاصل ہونے والی شکم سیری جو مجھے حاصل ہوئی، اس کو فلاں بھوکے تک اپنی قدرت کاملہ سے منتقل فرما دے؟........اسی طرح موسم سرما میں کبھی غرباء و مساکین میں کمبل اور بستر تقسیم کرنے کی بجائے خود لحاف اور کمبل اوڑھ کر اللہ سے یہ دعا کیوں نہیں کی جاتی کہ اے اللہ! کیونکہ تو قادر مطلق ہے! لہٰذا جو گرمی مجھے اس کمبل اور لحاف سے حاصل ہو رہی ہے وہ گرمی ان غرباء مساکین کو پہنچا دے جو سردی میں کانپ رہے ہیں؟

اشکال نمبر 3: اگر قرآن و احادیث میں ایصال ثواب کی دلیل یا ثبوت نہیں یا اگر اس کو دعا سے بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا تو جیسے آج کے دور میں بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جن کا ثبوت قرآن و احادیث میں نہیں ملتا لیکن مسلمانوں کے نزدیک بالاتفاق وہ جائز ہیں جیسے قرآن و احادیث کو کاغذ پر کتابی شکل میں لکھنا، قرآن و احادیث کا ترجمہ و تفسیر کرنا، مسجد کا مینار بنانا، ختم قرآن اور ختم بخاری کی تقریب منعقد کرنا، سفر اونٹ اور گھوڑے کی بجائے گاڑی اور ہوائی جہاز پر کرنا، مساجد اور گھروں میں کچی اینٹ کی بجائے پکی اینٹ اور کھجور کے پتوں کی بجائے سیمنٹ اور سریا استعمال کرنا وغیرہ۔

جواب: یہ مغالطہ "امور دنیا" اور "امور دین" کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین کے احکامات کا مکلف ٹھہرایا ہے اور دنیاوی یا انتظامی امور میں آزاد چھوڑا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(مَا كَانَ مِنْ أَمْرِ دِينِكُمْ فَإِلَيَّ، وَمَا كَانَ مِنْ أَمْرِ دُنْيَاكُمْ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ بِهِ)

"جو تمہارے دین کا معاملہ ہو وہ میری طرف لوٹاؤ (یعنی اس میں میری پیروی کرو)، اور جو تمہاری دنیا کا معاملہ ہو تو اسے تم زیادہ بہتر جانتے ہو" (مسلم::2363،2361، ابن ماجہ:2471)

سفر اونٹ اور گھوڑے کی بجائے گاڑی اور ہوائی جہاز پر کرنا، گھروں میں کچی اینٹ کی بجائے پکی اینٹ اور کھجور کے پتوں کی بجائے سیمنٹ اور سریا استعمال کرنا وغیرہ ان سب کا تعلق چونکہ "دنیوی امور" سے ہے اس لئے شریعت نے ہمیں ان امور میں آزاد چھوڑا ہے، اپنی سہولت اور وقت کے لحاظ

سے جو بھی طریقہ اپنائیں اس میں کوئی قباحت نہیں، ماسوائے کسی جگہ پر منع فرمایا گیا ہو۔لیکن جب بات دین یا" دینی امور" سے متعلق ہوتو یہ دیکھا جاتا ہے کہ دین کے ہر معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یا حکم کیا ہے۔لہٰذا جس چیز کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ ملے اور صحابہ کا اس پر تعامل نہ ہوتو وہ چیز دین میں اضافے کے مترادف اور" بدعت" ہے۔

سنت کا" عملی طریقہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے متعین ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، اذان وغیرہ ان تمام سنن کا طریقہ متعین اور FIX ہے۔ان کے طریقے میں کسی قسم کی تبدیلی یا اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔لیکن سنت کے" انتظامی طریقہ" میں ہمیں آزاد چھوڑا گیا ہے کیونکہ" انتظامی طریقے" حالات کے پیشِ نظر مختلف ہو سکتے ہیں مثلاً میت کا غسل، جنازہ اور تدفین سنن اعمال ہیں لیکن میت کو تدفین کے لئے قبرستان چارپائی پر لے کر جانا ہے یا گاڑی پر یا ہاتھوں میں اٹھا کر؟ اس" انتظامی طریقہ" کو حالات کے پیش نظر میسر اسباب پر چھوڑا گیا ہے۔اسی طرح دین کی تبلیغ احادیث سے ثابت ہے اب اس کے طریقے حالات اور تبدیلی زمانہ کے پیش نظر مختلف ہوتے رہے ہیں مثلاً پہلے زبانی تبلیغ تھی پھر تحریری یعنی کتابوں کا دور آیا پھر آڈیو اور ویڈیو اور اب موبائل میں ورچوئل قرآن و احادیث کا سارہ ذخیرہ موجود ہے۔اسی طرح مسجد میں لاوڈ سپیکر لگانا یا مینار بنانا یہ سب چیزیں بھی "تبلیغ دین" کے" انتظامی طریقے" ہیں جو حالات کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور انہیں دین میں متعین یا فکس نہیں کیا گیا بلکہ انہیں حالات پر چھوڑا گیا ہے۔

ان تمام اعمال کی بنیاد یا اصل چونکہ دین میں موجود ہے ہمیں صرف ان کے" انتظامی طریقہ" میں آزاد چھوڑا گیا اس لئے اس انتظام کے مختلف طریقے اپنانے میں کوئی قباحت نہیں ،لیکن ایصال ثواب یا قرآن خوانی اسی طرح قل ، دسواں ، چالیسواں ،میلاد منانا،قبروں پر چادر چڑھانا،اذان کے ساتھ "صلوۃ" پڑھنا ان امور کی چونکہ دین کوئی اصل یا بنیاد نہیں اس لئے یہ سب دین میں اضافے کے مترادف اور" بدعت" میں شمار ہوتے ہیں جس کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت وعید آئی ہے۔

اشکال نمبر 4: قرآن خوانی،قل، دسواں، چالیسواں، میلا د منانا،قبروں پر چادر چڑھانا، اذان کے ساتھ "صلوۃ" پڑھنا وغیرہ اچھے اعمال ہیں انہیں "مستحب" تو کہا جا سکتا ہے لیکن ان پر بدعت کا اطلاق درست نہیں۔

جواب: نماز، روزہ، حج، زکواۃ،قربانی وغیرہ یہ سب سنت کے (Content) ہیں اور ان کا "عملی طریقہ" شریعت میں موجود ہے۔ نہ تو سنت کے ان (Content) میں اضافہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کے "عملی طریقے" میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ اگر بالفرض قرآن خوانی،قُل، دسواں، عیدِ میلا د اور اذان کے ساتھ صلواۃ وغیرہ کو مستحب عمل سمجھ کر کیا سکتا ہے تو پھر اذان جس کی بنیاد شریعت میں موجود ہے کہ جسے ہر نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے تو اس مستحب اور جائز عمل کو نماز جنازہ اور عید کی نماز سے پہلے کیوں نہیں پڑھا جاتا ؟.........اس پر یہی کہا جائے گا کہ عید اور نمازِ جنازہ سے پہلے اذان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثبوت نہیں اس لئے نہیں پڑھی جاسکتی اور اگر کوئی اذان پڑھے تو بلاشبہ یہ دین میں اضافہ اور "بدعت" ہی کہلائے گا۔ بالکل اسی طرح ہم بھی یہی عرض کررہے ہیں کہ قل، دسواں، چالیسواں، اور اذان کے ساتھ "صلوۃ" پڑھنا وغیرہ یہ سب امور بے شک اپنی اصل میں جائز و مستحب اعمال ہیں لیکن ان امور کا اسطرح سے ادا کرنے کا طریقہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں اس لئے ان سب امور پر بھی "بدعت" کا ہی اطلاق ہوگا۔

اشکال نمبر 5: قرآن خوانی،قُل، دسواں، عیدِ میلا د اور اذان کے ساتھ صلواۃ وغیر کو اگر بدعت بھی کہیں تو پھر "بدعت حسنہ" کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی نماز جاری تو اس پر کہا کہ میں نے کیسی اچھی بدعت شروع کی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی فرمان ہے کہ "جو اسلام میں (سُنَّةً حَسَنَةً) "نیک طریقہ" کی ابتداء کرے اس پر بعد میں عمل ہوتا رہے اس کے لئے ان عمل کرنے والوں کا اجر بھی لکھا جائے گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی" (مسلم:2351، ابن ماجہ:203، دارمی:529)

جواب: حدیث میں جو (سُنَّةً حَسَنَةً) کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد کسی نئی "سنت" کا اضافہ

نہیں کیونکہ نئی چیز کے اضافے پر تو رسول اللہؐ نے واضح طور پر سختی سے تردید فرمائی ہے کہ:

(أما بعد، فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدى هدى محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة)

"سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور سب سے بری چیزیں نئی ایجاد کردہ ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے" صحیح مسلم (867)

یعنی جیسے نماز کے اندر ترمیم کی اجازت نہیں، اسی طرح نماز اور اذان کو شریعت میں مخصوص مواقع کے علاوہ ادا کرنے کی اجازت نہیں، یعنی اذان اچھا عمل ہونے کے باوجود عید کی نماز سے پہلے نہیں پڑھی جا سکتی کیونکہ یہ دین میں ایک نیا کام ہوگا بالکل ایسے ہی قرآن خوانی اچھا عمل ہونے کے باوجود دین میں ایک نیا کام ہوگا اور "بدعت" کے زمرے میں آئے گا۔

رہی بات نماز تراویح کی تو یہ نماز اصل میں قیام الیل ہے جو رسول اللہ ﷺ باقائدگی سے پڑھا کرتے تھے اور چند دن صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی رسول اللہ کے پیچھے باجماعت ادا کی۔ اس کے بعد لوگ اپنے طور پر علیحدہ علیحدہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف انہیں جماعت کی صورت میں نماز پڑھنے کا مشورہ دیا جس کی ابتداء رسول اللہ ﷺ سے ہو چکی تھی۔ یعنی انہوں نے اس نماز کی ہیئت کو نہیں بدلہ یا "عملی طریقے" میں کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ ایک "انتظامی طریقہ" بتایا۔ "بدعت حسنہ" کا اطلاق اسی انتظامی طریقہ پر ہی ہوتا ہے۔ تبلیغ دین کے نت نئے طریقے، اذان لاؤڈ سپیکر پر دینا، مسجدوں میں قالین اور AC لگوانا وغیرہ سب "انتظامی طریقے" کی مثالیں ہیں۔ حدیث رسول میں جس (سُنَّةً حَسَنَةً) یعنی "نیک طریقہ" کا ذکر آیا ہے اس سے مراد یہی "انتظامی طریقہ" ہے نا کہ کوئی نیا کام کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا واضح فرمان ہے کہ (وكل بدعة ضلالة) ہر نئی چیز ضلالت ہے۔

ایصال ثواب اور قرآن

قرآن کریم کی آیات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جس طرح کسی کے گناہ کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکتا بالکل اسی طرح کسی کا عمل خیر دوسرے کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ذیل میں چند آیات پیش کی جا رہی ہیں جن سے واضح ہے کہ قرآن کس طرح مختلف انداز سے اس بات کی تردید کرتا ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کے کھاتے میں نہیں لکھا جا سکتا۔

1۔انسان کی تخلیق کا مقصد عمل کی آزمائش

انسان کی تخلیق کا مقصد عمل کی آزمائش ہے اور قیامت کے روز اعمال کا حساب حق ہے جس کے نتیجے میں انسان کو ابدی عذاب دوزخ یا مستحق جنت ہونا ہے۔تو پھر ایک کا عمل دوسرے کو دینا امتحان کے منافی ٹھہرتا ہے۔قرآن کریم کی آیات پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ انسان کی تخلیق کا مقصد اس کے عمل کی آزمائش ہے۔دیکھئے:

(الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا)

”وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے“(الملک ۶۷:۲)

اگر اجر و ثواب بھی ادلا بدلا جا سکتا تو اعمال کی آزمائش چہ معنی دارد؟........ ہر شخص خواہ کوئی ہو، کیسا ہو، صرف اپنے ہی عمل کا پورا پورا بدلہ پائے گا کسی کو دوسرے کے عمل سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، یہاں تک کہ ماں باپ، بھائی بہن، میاں بیوی ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکیں گے(عبس 80:34-37)

2۔لفظ اِنَّمَا سے تردید

(اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ)

"پس تم کو تو اس کی جزا مل رہی ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے"(التحریم ٦٦: ٧، الطور ٥٢: ١٦)

گویا اپنے ذاتی اعمال کے سوا کسی دوسرے کے اعمال کا معاوضہ ادا نہ کیا جائے گا۔کیونکہ عربی زبان میں "اِنَّمَا" حصر کے لئے آتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیان کردہ صورت کے علاوہ اور صورت قطعاً ممکن نہیں۔دیکھئے (اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ) "یقیناً تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے" (الکہف ١٨: ١١٠) یعنی اس ذات واحد کے علاوہ کسی اور الٰہ کا وجود ممکن نہیں۔نیز ارشاد فرمایا (اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ) "یقینا میں تو تم جیسا ہی بشر ہوں" (الکہف ١٨: ١١٠) یعنی یہ محال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانوں کے علاوہ کسی اور مخلوق سے تعلق رکھتے ہوں۔بالکل اسی طرح آیت (اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ) کے تحت یہ بھی ناممکن ہے کہ انسان کو اپنے اعمال کے علاوہ کسی اور شخص کے اعمال کا اجر مل سکے۔

3۔لفظ اِلَّا سے تردید

قرآن میں لفظ اِلَّا کے ساتھ بھی استثناء کی بکثرت آیات موجود ہیں۔جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لفظ اِلَّا کے بعد والی صورت کے علاوہ کوئی اور صورت ممکن نہیں۔سورہ بقرہ میں جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب (اشیاء) کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا! اگر تم سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ؟

﴿قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا﴾

"بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا" (البقرہ ٢: ٣٢)

آیت میں لفظ اِلَّا کے بعد عَلَّمۡتَنَا کا مطلب ہے کہ صرف وہی جانتے ہیں جو تُو نے سکھایا۔یعنی اس کے علاوہ نہ کچھ جانتے ہیں اور نہ جان سکتے ہیں۔

﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ﴾

”اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی بڑی رحمت والا مہربان“ (البقرہ ۲: ۱۶۳)

مذکورہ آیت کے علاوہ کلمہ طیبہ میں بھی پہلے الٰہ کی نفی (لا اِلٰہ) کی گئی اور پھر اِلَّا کے بعد اللہ کا اثبات ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور اِلٰہ ہونے کی صورت ممکن نہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لئے دعا کی قبولیت کے بعد عرض کی اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی کر دے۔ تو اللہ نے جواب فرمایا:

(قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا)

”فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تین دن تو لوگوں سے بات نہ کرے مگر اشارہ سے“ (آل عمران ۳: ۴۱)

اِلَّا رَمْزًا کا مطلب یہ کہ اشارہ کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں تھی بات کرنے کی۔

(یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ)

- ”فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انہیں شعور نہیں“ (البقرہ ۲: ۹)

اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ کا ایک ہی مطلب ہے کہ اپنی جانیں اس کے علاوہ کوئی اور جان مراد لینا ممکن نہیں۔

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ﴾

”اس نے کہا! اے میرے رب! مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا“ (مائدہ ۵: ۲۵)

یعنی میں (حضرت موسیٰؑ) اور میرا بھائی۔ کیا اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ کی موجودگی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کے علاوہ بھی کسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اختیار مانا جا سکتا ہے؟..... بالکل نہیں۔

اوپر مذکور تمام آیات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان آیات میں لفظ اِلَّا کے بعد جو صورت یا آپشن مذکور ہے اس کے علاوہ کوئی صورت ممکن نہیں۔ اب ذیل کی آیات کو دیکھیئے جو انسان کے اعمال سے متعلق ہیں۔ ان آیات میں بھی اعمال کے اجر کو لفظ اِلَّا لگا کر صرف اس کی اپنی ذات

کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے۔

(وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى) (النجم ۵۳: ۳۹)

"اور یہ کہ انسان کیلئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے کوشش کی" (تفہیم القرآن)

مولانا مودودی مرحومؒ ایصال ثواب کے قائل ہیں لیکن اس آیت کے اطلاقات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس آیت سے بھی تین اصول نکلتے ہیں۔ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی پائے گا اپنے عمل کا اجر پائے گا..... دوسرے یہ کہ ایک شخص کے عمل کا اجر دوسرا نہیں پا سکتا، الا یہ کہ اس عمل میں اس کا اپنا کوئی حصہ ہو....... تیسرے یہ کہ کوئی شخص سعی و عمل کے بغیر کچھ نہیں پا سکتا" (تفہیم القرآن:5/215)

مولانا کا یہ استنباط بالکل درست ہے اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن میں ایصال ثواب کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ جن اعمال کا ثواب ایصال کیا جاتا ہے وہ مرنے والے کے اپنے اعمال نہیں ہوتے۔اس کے علاوہ مزید آیات دیکھیں جن میں یہی بات بیان کی گئی ہے۔

(وَمَا تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ) (الصفٰت ۳۷: ۳۹، یٰسین ۳۶: ۵۴)

"اور تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، بلکہ انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے" (تقی عثمانی)

(هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ) (النمل ۲۷: ۹۰، اعراف ۷: ۱۴۷)

"بس تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے" (طاہر القادری)

ان تمام آیات میں ایک ہی بات مختلف الفاظ اور انداز میں دہرائی گئی ہے کہ انسان کو اپنے ذاتی اعمال کے سوا کسی دوسرے کے اعمال کی جزا نہیں مل سکتی۔یعنی ہر انسان خدا کے ہاں صرف اپنی ہی محنت کا حاصل پائے گا، یہ نہیں ہوگا کہ نیکی تو کسی نے کی اور اس کا پھل کوئی اور کھائے، یا بدی تو زید نے کی اور اس کی سزا بکر بھگتے۔مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے آباؤ اجداد بڑے نیک تھے تو انکی نیکی کا صلہ انہی کو ملے گا، یہ نہیں ہوگا کہ ان کے اعمال کے صلہ میں تم جنت میں چلے جاؤ۔

4۔ جو (لوگ) گزر چکے تمہارے اچھے اعمال اُن کے کام نہیں آسکتے

اتنی واضح آیات کے باوجود یہ کہا جاتا ہے کہ جہاں جہاں یہ ذکر آیا ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کے کام نہ آئے گا اس سے صرف عمل بد مراد ہے اور نیک عمل اس سے خارج ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت 141 میں اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء علیہم السلام یعنی حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد کے تذکرے کے بعد فرمایا۔

(تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ)

"وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا، اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا، اور تم سے ان کے کئے کی پوچھ نہ ہوگی" (البقرہ ۲:۱۴۱)

اس آیت میں انبیاء کے اعمال کی بات ہو رہی ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء کے اعمال بد کا ذکر تو ہو نہیں سکتا کیونکہ انبیاء کے اعمال خیر ہی ہوتے ہیں۔ اس میں صراحت کے ساتھ اس چیز کا بیان ہے کہ انبیاء کے اعمال خیر تمہارے کام نہیں آسکتے، اور نہ تمہارے اعمال خیر ان کے کام آسکتے ہیں۔

لفظ کسب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس کی کمائی ہے چاہے وہ جس طرح کی بھی ہے اس کی اجرت بھی صرف اسی کو ملے گی۔ جب انبیاء کرام علیہم السلام کی محنت کسی دوسرے کے نام نہیں کی جا سکتی تو وہ لوگ جن کی انبیاء کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ان کی کمائی کسی دوسرے کے کھاتے میں کیسے تحریر کی جا سکتی ہے؟......... اسی لئے آیت کے دوسرے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ "وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ" "تمہارے اچھے اعمال صرف تمہارے ہی لئے ہیں" اس بات کی بھی نفی فرما دی جو عام طور پر چہلم اور قُل کے موقع پر انبیاء وصلحا کی روح کو قرآن خوانی کا ثواب ہدیۃً تحفتہً ارسال کیا جاتا ہے۔ مفسر قرطبی احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔

"اور تمہارے لئے تمہارا کیا ہوا ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر" (تفسیر قرطبی)

ان تمام آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جیسے "کسی کے برے اعمال دوسرے کے

کھاتے میں نہیں لکھے جا سکتے، بالکل اسی طرح اچھے اعمال بھی کسی دوسرے کو پارسل نہیں کیے جا سکتے ۔ ہر انسان کو صرف اپنے اعمال کی جزا ملے گی، اگر کسی کے اعمال اچھے ہیں تو اسے اچھی جزاء ملے گی اور اگر اعمال برے ہیں تو اس کی سزاء ملے گی۔ لیکن کسی اعمال کی جزاء کا کسی دوسرے کے کھاتے میں لکھنا اللہ کے امتحان اور انصاف دونوں کے خلاف اور ظلم ہے۔

شبہ: قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کی تقسیم کے وقت غیر وارث یتیموں اور مسکینوں کو بھی باعزت طریقے سے کچھ نا کچھ دینے کا حکم دیا ہے ۔ یہ عمل چونکہ مرنے والے نے خود نہیں کیا بلکہ وارثوں نے اس کے مال سے صدقہ وخیرات ادا کیے تو اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لواحقین کا عمل میت کے لئے فائدہ مند ٹھہرایا ہے۔

جواب: یتیموں، مسکینوں کو صدقہ، وارثوں کے حصے میں سے نہیں دیا جاتا کیونکہ مال انہیں ابھی ملا نہیں اس لئے اس مال کا ثواب وارثوں کے حق میں تو لکھا نہیں جا سکتا۔ اب رہ گئی بات اس ثواب کی جس کا مردے کو ملنے کا دعویٰ ہے تو اس بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے کہ:

> "یقیناً اس کا مال تو وہ ہے جو اس نے خیرات کر کے آگے بھیج دیا۔ اور جو پیچھے چھوڑ کر مرا دوہ اس کے وارث کا مال ہے" (بخاری:6442)

مرنے کے بعد پیچھے چھوڑا ہوا مال جب اس کا نہیں رہا تو اسے اجر کیسے مل سکتا ہے ۔ دوسرا یہ کہ ثواب کا تعلق دل کے تقویٰ اور نیت سے ہے اور چونکہ مرنے والے نے اس حکم کی کوئی نیت یا وصیت نہیں کی تھی، بلکہ یہ عمل تو اللہ کے حکم کے تحت وقوع پذیر ہوا ہے اس لئے اس کا ثواب مردے کو کیسے مل سکتا ہے؟

ہندومت اور فوتگی کی رسومات

اصل حقیقت یہ ہے کہ آج بھی برصغیر کے ان چند مما لک کے سوا باقی تمام دنیا کے مسلمان اس بدعت سے محفوظ ہیں ۔ برصغیر (ہندوستان) میں آریا قوم ہنود میں یہ رسم آج بھی پائی جاتی ہے کہ جب کوئی ہندو مر جاتا ہے تو ہندو پنڈت کو بلایا جاتا ہے اور وہ بیٹھ کر اشلوک پڑھتا ہے ۔اور یہ عمل تیسرے ، ساتویں ، چالیسویں اور سال کے بعد کرتے ہیں ۔چونکہ ہمارے آباؤ اجداد ہندووں سے نکل کر مسلمان ہوئے ، یا ہندو معاشرے میں رہے اور وہیں سے یہ رسوم ہمارے ہاں منتقل ہو گئے ۔اشلوک کو چھوڑا تو اس کی جگہ قرآن کریم اور چند دوسرے لوازمات کے ساتھ اس رسم کو جوڑ دیا گیا اس طرح اشلوک کی جگہ قرآن خوانی اور ختم شریف نے لے لی۔

ہندووں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جب تک مرنے والے کے لئے اشلوک نہ پڑھے جائیں اور پن دان نہ کیا جائے مُردے کی روح منتظر رہتی ہے۔ ہندووں کے لٹریچر میں آج بھی یہ چیز موجود ہے کہ ان کے ہاں پن دان اسی چیز سے کی جاتی ہے جو چیز مرنے والے کو مرغوب ہوتی ہے اور ہمارے ہاں بھی یہ تصور اسی طرح بدستور قائم ہے۔ کہ بچوں کی فاتحہ کے لئے ملاؤں کو دودھ پیش کیا جاتا ہے اور بڑے فوت شدگان کی پسند کے کھانوں کا خیال بھی رکھا جاتا ہے۔لیکن سعودی عرب ، یمن ،شام فلسطین اور مصر وغیرہ میں لوگ اس بدعت سے پاک ہیں ۔

خلاصہ

۱۔ مروجہ ایصال ثواب کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کوئی نیک عمل خود کرے اور اس عمل سے پہلے یا بعد میں اللہ سے یہ دعا کرے کہ اس نیک عمل کا اجر یا مزدوری جو مجھے ملنی چاہیے وہ میں نے فلاں کو بخش دی۔

۲۔ قرآن و حدیث میں کوئی ایک آیت یا حدیث نہیں ملتی جس میں لکھا ہو کہ ایک شخص کا عمل دوسرے کے کھاتے میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ قرآن میں ایصال ثواب (ایک کا عمل دوسرے کے کھاتے میں) کے عقیدہ کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے جزا و ثواب کو انسان کے ذاتی عمل پر موقوف فرمایا ہے۔ جیسے ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ﴾ "وہ ایک امت تھی جو گزر گئی ان کے لئے ان کی کمائی ہے اور تمہارے لئے تمہاری کمائی ہے" (البقرہ ۲: ۱۴۱) ﴿وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ "اور تم جزا نہیں دیئے جاؤ گے مگر ان اعمال کی جو تم کیا کرتے تھے" (الصٰفٰت ۳۷: ۳۹)

۴۔ کسی عمل کے اجر کا تعلق انسان کی نیت اور دل کے تقویٰ پر موقوف ہے، اور تقویٰ منتقل ہونے والی چیز نہیں۔ اور بالفرض اگر منتقل ہو سکتا تو پھر ثواب کے ساتھ ساتھ گناہ بھی ایصال کیے جا سکتے۔

۵۔ قرآن میں مُردوں کے لئے صرف دعائے مغفرت کا ذکر ملتا ہے۔ دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا آپس میں دُور کا بھی تعلق نہیں۔ ایصال ثواب میں پہلے کوئی عمل صالح کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ قرآن خوانی، صدقہ، ذکر و اذکار وغیرہ اور پھر بعد میں اللہ سے دعا کی جاتی ہے کہ ان اعمال کا اجر مرنے والے کو پہنچ جائے، ایسی دعا کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں۔ جبکہ دعائے مغفرت و دعائے ترقی وغیرہ براہ راست

اللہ تعالیٰ سے التجا ہے، اللہ چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔یعنی دعا سے کسی کی مغفرت تو ہو سکتی ہے لیکن اپنی نیکیاں کسی کو ارسال نہیں ہو سکتیں۔نیز دعا میں مُردوں کے ساتھ ساتھ زندوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔اسطرح اگر دعا سے ایصال ثواب جائز مانا جائے تو پھر مُردوں کے ساتھ زندوں کے لئے بھی ایصال ثواب ماننا پڑے گا جبکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

٦۔ احادیث میں دعا کے علاوہ صدقہ جاریہ کا بھی ذکر ملتا ہے۔صدقہ جاریہ دراصل انسان کا اپنا ہی جاری کردہ عمل ہے جو اس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔اسطرح ایک عمل جاریہ کا اجر خود بخود جاری رہتا ہے

٧۔ وہ اعمال جن میں مرنے والے کی کسی نہ کسی طرح شراکت موجود ہو یعنی کوئی کام شروع کیا تھا لیکن پورا نہ کر سکا، کوئی نذر و منت مانی تھی یا کسی کام کی نیت کی تھی یا وصیت کی تھی اب مرنے کے بعد اس کے ورثاء ان کاموں کی تکمیل اسی کے مال سے کرتے ہیں۔ان اعمال کو نیابت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ اعمال مرنے والے کے ہی متصور ہوتے ہیں۔تمام فقہاء نیابت میں صرف مالی عبادات کو قبول کرنے پر متفق ہیں۔

٨۔ مُردے کی طرف سے نماز اور روزہ والی روایات قابل رد ہیں کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فتویٰ ان کے خلاف ہے کہ "کوئی کسی کی طرف سے نماز اور روزہ نہ رکھے" (السنن الکبریٰ بیہقی: 7963) اور فقہا کرامؒ نے بھی بدنی عبادات کو نیابت میں قبول نہیں کیا۔

٩۔ حج بدل کے بارے فقہاءؒ کا اختلاف ہے امام مالکؒ کہتے ہیں "میں جائز نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص دوسرے کی جانب سے حج کرے" (المدونة الكبرى، باب الحج عن الميت) امام نووی (شافعیؒ) کے نزدیک صرف اس زندہ عاجز کی جانب سے حج جائز ہے جس کے ہاتھ پیر بیکار ہوں یا بڑھاپا وغیرہ۔امام ابوحنیفہؒ اسے نیابت سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب تک مرنے والا وصیت نہ

کرے، اور اس پر مرنے والے کا مال نہ لگایا جائے تو یہ نیابت بھی بے کار ہوگی۔ بالفرض اگر قبول کر بھی لیا جائے تو جب نیابت اصلاً ہے ہی مرنے والے کا اپنا عمل تو اسکا ایصال ثواب سے کیا تعلق؟

۱۰۔ جہاں تک وصیت کی بات ہے تو جس کو وصیت کی جائے، وہ اسی کے ساتھ خاص ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قربانی کرنے کی وصیت، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے اور یہ ادائے وصیت ہوگی نہ کہ سنت نبویہ، یعنی امت کے لئے سنت نہیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم نے کبھی بھی اپنے والدین کے لئے ان کی وفات کے بعد قربانی نہیں کی۔ حتیٰ کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہؓ کے لئے کبھی قربانی نہ کی، اور نہ کبھی خلفائے راشدینؓ اور نہ کبھی کسی صحابی نے رسول اللہؐ یا اپنے فوت شدگان کے لئے قربانی کی۔

۱۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو زائد قربانی کی، وہ اپنی امت کے ان نادار لوگوں کے لئے تھی جو اس وقت زندہ تھے۔ اور چونکہ قربانی فدیہ ہے حیوانی جان کا انسانی جان سے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان نادار لوگوں کی طرف سے ایک زائد قربانی کی تا کہ ان لوگوں کی طرف سے بھی فدیہ جان ادا ہو سکے۔ آج بھی اگر کوئی کسی نادار کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو اس کی جان کا فدیہ تو ادا ہو جائے گا مگر ثواب اسی کو ملے گا جس نے قربانی کی اور جانور جس کی ملک تھا کیونکہ اسی کے تقویٰ کی بدولت قربانی قبول ہوگی۔ رہے فوت شدگان تو ان میں جب کوئی جان ہی نہیں تو پھر فدیہ کس لئے ادا کیا جائے؟ اور پھر ایصال ثواب سے اس کا کیا تعلق؟ نابالغ بچوں کی طرف سے قربانی یا صدقہ فطر اس لئے مسنون ہے کہ یہ چیزیں جان کا فدیہ ہو جاتی ہیں مگر مُردوں کو کبھی اس میں شامل نہیں کیا جاتا۔ کسی دوسری عبادت کا مقصد دنیا میں رد بلا و فدیہ جان نہیں ہے بجز قربانی اور صدقہ فطر کے، اسی لئے نماز، روزہ، حج یا قرآن خوانی وغیرہ دوسرے کی طرف سے جائز نہیں۔